ماھنامہ

حکمت بالغہ

اگست 2007

مدیر: انجینئر مختار حسین فاروقی

قرآن اکیڈمی

جھنگ پاکستان

فون اور فیکس: 0092-47-7628361

ای میل: hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ www.hamditabligh.net پر حکمت بالغہ کے تمام شمارے دستیاب ہیں

ماھنامہ

حکمت بالغہ

جولائی2007

مدیر: انجینئر مختار حسین فاروقی

قرآن اکیڈمی

جھنگ پاکستان

فون اور فیکس:0092-47-7628361

ای میل:hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ www.hamditabligh.net پر حکمت بالغہ کے تمام شمارے دستیاب ہیں

فرمانِ خداوندی

سورۃ الواقعہ (1-40)

سورۃ الواقعہ مکی سورت ہے اور سورۃ الرحمٰن کے ساتھ ہونے کے علاوہ اس سے گہری مشابہت رکھتی ہے البتہ مضامین کی ترتیب سورۃ الرحمٰن کے لحاظ سے عکسی ہے یعنی جو مضمون اس سورۃ میں پہلے آیا ہے وہ سورۃ الرحمٰن میں آخر پر آیا ہے۔ اور جو مضمون اس سورۃ میں آخر پر آیا ہے یعنی عظمت قرآن وہ سورۃ الرحمٰن کے شروع میں آیا ہے۔ بنیادی طور پر قرآن مجید میں ان سورتوں میں جِنّوں اور انسانوں کے لئے علیحدہ علیحدہ دو جنتوں کا ذکر ہے۔ انسانوں کے لئے اعلی درجے کی جنت (جس کے کئی حصے اور سیکٹرز ہوں گے) مقربین بارگاہ کے لئے جبکہ دوسری جنت (اس کے بھی کئی حصے اور سیکٹرز ہوں گے) اصحاب المیمنہ کیلئے ہے اللہ تعالےٰ ہمیں اعلی درجے کی جنت والے لوگوں جیسے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

بسم الله الرحمٰن الرحيم

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ

جب واقع ہو جانے والی واقع ہو جائے

لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ

اس کے واقع ہونے میں کچھ جھوٹ نہیں

خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ

کسی کو پست کرے کسی کو بلند

اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا

جب زمین بھونچال سے لرزنے لگے

وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسّاً

اور پہاڑ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں

فَكَانَتْ هَبَاءً مُّنْبَثّاً

پھر غبار ہو کر اڑنے لگیں

وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجاً ثَلٰثَةً

اور تم لوگ تین قسم ہو جاؤ

فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ

تو داہنے ہاتھ والے (سبحان اللہ) داہنے ہاتھ والے کیا (ہی چین میں) ہیں

وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ

اور بائیں ہاتھ والے (افسوس) بائیں ہاتھ والے کیا (گرفتار عذاب) ہیں

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ

اور جو آگے بڑھنے والے ہیں (ان کا کیا کہنا) وہ آگے ہی بڑھنے والے ہیں

اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ

وہی (خدا کے) مقرب ہیں

فِی جَنّٰتِ النَّعِيْمِ

نعمت کی بہشتوں میں

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ

وہ بہت سے تو اگلے لوگوں میں سے ہوں گے

وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ

اور تھوڑے سے پچھلوں میں سے

عَلٰی سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ

(لعل و یاقوت وغیرہ سے) جڑے ہوئے تختوں پر

مُّتَّكِئِيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ

آمنے سامنے تکیہ لگائے ہوئے

یَطُوۡفُ عَلَیۡهِمۡ وِلۡدَانٌ مُّخَلَّدُوۡنَ

نوجوان خدمت گذار جو ہمیشہ (ایک ہی حالت میں) رہیں گے ان کے آس پاس پھریں گے

بِاَكۡوَابٍ وَّ اَبَارِيۡقَ وَكَاۡسٍ مِّنۡ مَّعِيۡنٍ

یعنی آبخورے اور آفتابے اور صاف شراب کے گلاس لے لے کر

لَّا يُصَدَّعُوۡنَ عَنۡهَا وَلَا يُنۡزِفُوۡنَ

اس سے نہ تو سر میں درد ہوگا اور نہ انکی عقلیں زائل ہونگی

وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوۡنَ

اور میوے جس طرح کے ان کو پسند ہوں

وَلَحۡمِ طَيۡرٍ مِّمَّا يَشۡتَهُوۡنَ

اور پرندوں کا گوشت جس قسم کا ان کا جی چاہے

وَحُوۡرٌ عِيۡنٌ

اور بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں

كَاَمۡثَالِ اللُّؤۡلُؤِ الۡمَكۡنُوۡنِ

جیسے (حفاظت سے) تہ کئے ہوئے (آب دار) موتی

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ

یہ ان کے اعمال کا بدلہ ہے جو وہ کرتے تھے

لَا يَسۡمَعُوۡنَ فِيۡهَا لَغۡوًا وَّلَا تَاۡثِيۡمًا

وہاں نہ بیہودہ بات سنیں گے اور نہ گالی گلوچ

اِلَّا قِيۡلًا سَلٰمًا سَلٰمًا

ہاں ان کا کلام سلام سلام (ہوگا)

وَاَصۡحٰبُ الۡيَمِيۡنِ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡيَمِيۡنِ

اور داہنے ہاتھ والے (سبحان اللہ) داہنے ہاتھ والے کیا (ہی عیش میں) ہیں

فِیۡ سِدۡرٍ مَّخۡضُوۡدٍ

(یعنی) بے خار کی بیریوں

وَّ طَلۡحٍ مَّنۡضُوۡدٍ

اور تہ بتہ کیلوں

وَّ ظِلٍّ مَّمۡدُوۡدٍ

اور لمبے لمبے سایوں

وَّ مَآءٍ مَّسۡکُوۡبٍ

اور پانی کے جھرنوں

وَ فَاکِہَۃٍ کَثِیۡرَۃٍ

اور میوہ ہائے کثیرہ (کے باغوں) میں

لَّا مَقۡطُوۡعَۃٍ وَّ لَا مَمۡنُوۡعَۃٍ

جو نہ کبھی ختم ہوں اور نہ ان سے کوئی روکے

وَّ فُرُشٍ مَّرۡفُوۡعَۃٍ

اور اونچے اونچے فرشوں میں

اِنَّاۤ اَنۡشَاۡنٰہُنَّ اِنۡشَآءً

ہم نے ان (حوروں) کو پیدا کیا

فَجَعَلۡنٰہُنَّ اَبۡکَارًا

تو ان کو کنواریاں بنایا

عُرُبًا اَتۡرَابًا

(اور شوہروں کی) پیاریاں اور ہم عمر

لِّاَصۡحٰبِ الۡیَمِیۡنِ

(یعنی) داہنے ہاتھ والوں کے لئے

ثُلَّۃٌ مِّنَ الۡاَوَّلِیۡنَ

(یہ) بہت سے تو اگلے لوگوں میں سے ہیں

وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ

اور بہت سے پچھلوں میں سے

حرف آرزو

اس دنیا میں انسانیت کی معلوم تاریخ سات یا آٹھ ہزار سال سے زیادہ نہیں ہے۔ دنیا میں نسل انسانی نے ترقی کی ہے اور پھیلی پھولی ہے ہزاروں تہذیبیں اٹھیں اور دنیا میں اپنی عظمت کا ڈنکا بجا کر زوال پذیر ہوگئیں ایسی قومیں اور تمدن بھی ہیں جو تباہ و برباد ہو گئے اور ایسے بھی ہیں جو زوال پذیر ہوئے اور دوسروں کے غلام بن کر رہ گئے۔

یہ دنیا ہزاروں مطلق العنان بادشاہوں ، ہوس پرست راجوں، خدائی کے دعویدار حاکموں اور اپنی تہذیب کے دوام کے خواب دیکھنے والوں کے ہولناک انجام کی یاد دلاتی ہے۔ مگر افسوس کہ ہر آنے والا اپنے ''حال'' سے دھوکا کھا کر ''مستقبل'' کے خوشنما اور موہوم خاکوں پر ہی فریفتہ ہو کر ''ماضی'' سے سبق حاصل کرنے کو تیار نہیں ہے۔

تاریخ سے سبق حاصل کرنے کے لئے سب سے معتبر تبصرہ تو مذاہب کی دنیا میں انبیاء کرام علیہم السلام کی تاریخ ہے اور آسمانی کتابوں بالخصوص واحد محفوظ (TEXT) والی آخری کتاب قرآن مجید ہے۔ کاش! دنیا اس قرآن مجید کو صرف ایک 1400 سال پرانی کتاب کے طور پر ہی پڑھ لیں تو عبرت پذیری حاصل ہو گی مگر افسوس کہ دوسرے لوگ تو کیا خود مسلمان بھی اس نگاہ سے اس کو پڑھنے اور اس کا مطالعہ کرنے سے پہلو تہی کرتے ہیں۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اور اس نے دنیا میں آنے والے انسانوں اور اٹھنے والی تہذیبوں کے بارے میں ایک ''قانون عروج و زوال'' بتایا ہے اس کا حقیقی نقشہ تو ___ قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کا کلام مان کر ___ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ سے پڑھنے ___ اور صحابہ کرامؓ کے انداز میں سمجھنے ہی سے سامنے آ سکتا ہے تاہم یہ قانون خداوندی اتنا اٹل اور بے لاگ ہے اس کا بڑا حصہ صرف تاریخ انسانی کا صرف انسان کی سی نگاہ ڈالنے سے ہی حاصل ہو جاتا ہے۔

برٹرینڈرسل (BURTREND RUSSELL) (1872-1970)ایک معروف ریاضی دان اور فلسفی تھا دور حاضر کی مغربی ترقی کے سیاسی اور معاشرتی اثرات، کے ضمن بے لاگ تحریروں اور تبصروں کی وجہ سے شہرت حاصل کی اس کی تحریر " REFLECTIONS ON THE RE- AWAKENING EAST" 1950ء کے عشرے میں لکھی گئی تھی جس میں اس نے ایک ''مرد عاقل'' اور ''مرد دانا'' کی نگاہ سے تاریخ کا تجزیہ کیا ہے خود عنوان سے ظاہر ہے کہ عروج وزوال اس دنیا کا ایک اٹل قانون ہے کبھی مشرق غالب تھا اب مغرب غالب ہے مگر مشرق کی بیداری کے دوبارہ آثار سامنے ہیں جس سے ''زوال مغرب'' کا نتیجہ نکالنا مشکل نہیں ہے۔

دور عروج میں ہر تہذیب اپنے دوام اور نہ ختم ہونے والے اقتدار کے خواب دیکھتی ہے چنانچہ یورپی یا مغربی استعمار کے حالیہ عروج کے بارے میں وہ لکھتا ہے۔

WHEN I WAS YOUNG, EVERYBODY IN THE WEST ACCEPTED, THIS DOMINATION AS A MATTER OF COURSE AND AS SOME THING LIKELY TO CUNTINUE INDEFINITELY"

''جب میں جوان تھا، مغرب کا ہر شخص یہی زعم رکھتا تھا کہ یہ (مغربی) غلبہ تاریخی تسلسل ہے اور یہ کہ یہ بالادستی ختم ہونے والی نہیں ہے''

تاہم بعد کی تاریخ نے ثابت کر دیا کہ مغرب کا یہ تصور غلط تھا۔ برٹرینڈرسل لکھتا ہے کہ مغرب کی موجود بالا دستی سے پہلے مسلمانوں کا مشرق اور سپین میں عروج تھا۔ یہ عروج فوجی، سائنسی، فلسفہ، (بامقصد) شاعری اور دیگر فنون یعنی ہر شعبے میں تھا جبکہ یورپ جس دور کو اپنے لئے ''دور جہالت'' (DARK AGES) کہتا ہے یہ صرف عیسائی یورپ کے لئے تھا مسلم یورپ (سپین) اس وقت بھی ایک شاندار تہذیب وتمدن کا گہوارہ تھا۔

مغربی تہذیب پر عربوں کے اثرات تاریخ کا ایک پورا شعبہ ہے جو بڑا وسیع ہے۔

برٹرینڈرسل نے اپنی تحریر میں تسلیم کیا ہے کہ مشرق کے عروج کے دور میں اس نے دنیا

کو ان گنت فوائد دیئے جبکہ مغرب کے موجود غلبہ کے دور میں مغرب نے مشرقی اقوام کو مصیبتیں ہی بانٹتیں ہیں۔آج دیکھا جا سکتا ہے کہ مغرب نے فوجی غلبے، ظالمانہ تسلّط ،مسلطّ کردہ ''بادشاہ'' ''ڈکٹیٹر'' اور جمہوری سربراہ اور قرضوں کے بوجھ کے ملٹی نیشنل کی اجارہ داری کے علاوہ کچھ نہیں دے سکا۔اسی عروج وزوال کے اٹل قانون کے پیشِ نظر ہی ذیل میں 1857ء کی برطانوی ہند کی جنگ کے پس منظر میں یہ تحریر ہدیہ قارئین ہے امید ہے کہ اسی نقطہ نظر سے اس کا بغور مطالعہ کیا جائے گا۔

1857ء کی جنگ آزادی

برطانوی ہند میں اس جنگ کے تین فریق

قانونِ عروج وزوال کی روشنی میں

جنوبی ایشیا میں گنگا، جمنا اور سندھ کے میدانی علاقے دنیا کے تہذیبی اور تمدنی ارتقاء میں نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔آج سے چار ہزار سال قبل انسان دریاؤں اور چشموں کے پاس ہی آباد تھے اور زندگی کے وسائل نہایت ہی محدود بھی اور کمیاب بھی تھے، تاریخ انسانی میں کئی تہذیبیں اٹھیں، پھلی پھولیں، عظمت کے پھریرے گاڑے اور بالآخر فنا کے گھاٹ اتر گئیں۔علامہ اقبال نے اسی حقیقت کو یوں بیان کیا تھا۔ ؎

آ تجھ کو بتاؤں تقدیرِ امم کیا ہے؟
شمشیر وسناں اول طاؤس ورباب آخر

فاتحین، شہنشاہوں اور مطلق العنان حکمرانوں کے جبر اور ظلم کے تحت زندگی گذارنے والے معاشروں کو چھوڑ کر تاریخ انسانی پر نگاہ رکھنے والا ہر آدمی جانتا ہے کہ وہ نظریہ یا خیال پھیلتا ہے اور جغرافیائی سرحدوں کی پرواہ کئے بغیر علاقوں اور اقوام کو مسخر کرتا چلا جاتا ہے جو انسانی فلاح اور کامرانی اور عدل وانصاف کا علمبردار ہوتا ہے، وہ قومیں جو ان اقدار کو لے کر اٹھتی ہیں وہ چھا جاتی ہیں اور دوسری قومیں اور تہذیبیں جو ان اخلاق عالیہ سے عاری ہوتی ہیں یا بے عملی کا شکار ہو جاتی ہیں وہ محکوم ہو جاتی ہیں اور غلام بنالی جاتی ہیں۔

جنوبی ایشیا میں اسلام آیا اور چھا گیا کیا جب غوری اور غزنوی نے حملے کئے اور سلطنتیں قائم کیں تو مقامی لوگوں کے کسی نے ہاتھ باندھ دیئے تھے؟ یقیناً نہیں! بلکہ ان کی محکومیتیں، ان کے نظریات کی کمزوری اور اجتماعی سوچ کی کمی کے ساتھ ساتھ ظلم اور ناانصافی کا بڑا عمل دخل تھا۔ یہ ایسے عالمگیر اصول ہیں کہ خود مسلمان بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ جب تک یہ اعلیٰ اصول رہے اللہ تعالیٰ نے حکومت، عزت اور وقار دیئے رکھا اور جب یہ اعلیٰ اصول نہ رہے تو سابقہ محکوم قوموں نے ہی اٹھ کر حاکموں کو زیر کر لیا۔ تاریخ انسانی ایسی حیران کن مثالوں سے بھری پڑی ہے تاہم اس سے شاذ و نادر ہی سبق کوئی حاصل کرتا ہے۔

جنوبی ایشیا میں مسلمانوں نے کئی صدیاں اقلیت میں ہونے کے باوجود حکمرانی میں گذاریں ہیں اور مجموعی طور پر اعلی اقدار، رواداری، عدل وانصاف اور انسانی احترام کو فروغ دیا ہے۔ اٹھارویں صدی کے آغاز پر اورنگ زیب عالمگیر کی وفات پر تو گویا مسلمانوں کی عظمت کا مینار یکا یک زمین بوس ہو گیا تو تیزی سے زوال کے آثار نمودار ہونا شروع ہوئے، جگہ جگہ خانہ جنگی اور باہمی چپقلش کے مناظر سامنے آئے اور محکوم قوموں نے بھی انگڑائی لی اور بجا طور پر موقع سے فائدہ اٹھایا اور سپین کی طرح مسلمانوں ہی سے عدل وانصاف اور مساوات کے اعلیٰ اصول سیکھ کر مسلمانوں کے زوال پر ان اصولوں کے علمبردار ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ مسلمان امت عروج سے زوال کی طرف تیزی سے بڑھ رہی تھی اور ہندو زوال سے عروج کی طرف قدم بڑھا رہا تھا اور مسلمانوں سے ایک طرح کا انتقام لینا چاہتا تھا کہ مسلمانوں کی اجتماعی اور عالمگیر قوت ارادی نے احمد شاہ ابدالی کے ذریعے ہندو مرہٹہ قوت کو پاش پاش کر دیا۔ لیکن مسلمانوں میں اجتماعی قوت اور ضمیر اتنا منظّم اور بیدار نہیں تھا کہ وہ ہندوستان پر قابض رہ سکتا۔

اسی دوران یورپ میں یہی عمل چار صدیوں کے فرق سے منطقی انتہا تک پہنچ چکا تھا اور مسلمانوں کو مغلوب کر لیا گیا تھا اور عیسائی دنیا یورپ میں مسلمانوں پر غلبہ حاصل کر کے انہیں سے حاصل علم و آگہی اور سائنسی اکتشافات کے سہارے سارے عالم پر یورپی صلیبی استعمار قبضہ کے خواب دیکھ رہا تھا کہ برطانوی سامراج کو بنگال میں پاؤں جمانے کا موقع مل گیا۔ برطانوی سامراج کا تصادم زیادہ تر مسلمانوں سے رہا شاید یہ وجہ تھی کہ پہلے مسلمان ہی حکمران تھے۔

ہندوؤں نے اکثر و بیشتر مسلمانوں کے خلاف برطانوی سامراج ہی کا ساتھ دیا ہندوؤں کے لئے انگریزوں کی غلامی کوئی نئی اور انوکھی چیز نہ تھی بلکہ نئے حکمرانوں اور CHANGE OF MASTERS کا معاملہ تھا۔ چنانچہ جنگ پلاسی 1753ء جنگ میسور سلطان ٹیپو کی شہادت سے لے کر 1857ء کی جنگ تک غالب اکثریت میں مسلمان ہی اٹھتے مقابلہ کرتے مرتے اور پھانسیوں پر لٹکائے جاتے نظر آتے ہیں اور غاصب برطانوی سامراج کے خلاف ہندوؤں کو کالے پانی بھیجے جانے یا تختہ دار پر لٹکائے جانے کی سعادت بہت کم نصیب ہو سکی۔ جو ہندو کی اٹوٹ اور روایتی نفسیات کا مظہر ہے۔

بطور جملہ معترضہ یہ بات بھی سامنے آجائے تو مضائقہ نہیں کہ وہی ظلم و جبر اور دار و رسن کی جو داستان برطانوی سامراج نے 1857ء کے بعد صرف جنوبی ایشیا کے مرکز دہلی کے آس پاس رقم کی تھی وہی داستان آج امریکہ اپنے اتحادیوں کے ساتھ عالمی سطح پر عراق، دارفور، افغانستان اور تیمور یہ میں رقم کر رہا ہے، تختۂ ستم اس وقت بھی مسلمان تھے اور آج بھی مسلمان ہی ہیں مسلمانوں کا قصور ہی ایسا ہے کہ ناقابل معافی ہے۔ دوسری اقوام عالم بالخصوص ہندو اس وقت بھی مفادات کا پجاری تھا اور آج بھی بدرجہ اتم مفادات کا غلام ہے۔

1857ء کے مسلم کش دور کے بعد جب حالات ذرا پرسکون ہوئے اور برطانوی سامراج نے قدم جمالئے تو مسلمانوں کے لئے ایک اور کڑی آزمائش کا وقت آ گیا۔ مسلمان امت جنوبی ایشیا میں دو مختلف دھاروں میں بٹ گئی دیوبند اور علی گڑھ زمینی طور پر زیادہ دور نہیں (صرف ساٹھ کلومیٹر ہیں) تاہم وہاں سے دو علمی تحریکوں نے جنم لیا اور یوں ہر آنے والے دن نے مسلمانوں کے درمیان ظاہری تقسیم کے اثرات بہت گہرے کر دیے۔ اور مسلمان قوت اور ذہن منقسم ہو کر رہ گیا جبکہ ہندو منظم ہونے کے ساتھ دیگر غیر مسلم اقوام کو ساتھ ملا کر مسلمانوں کے مقابلے پر اتر آیا۔

1867ء سے 1947ء تک کی جدوجہد میں مسلمانوں کے یہ دو دھارے بڑے نمایاں رہے اگرچہ مسلمانوں کے ایک اہم اور قیادت کے حامل طبقہ نے کانگریس کا ساتھ دیا تاہم عوام الناس نے مسلم لیگ کا ساتھ دیا۔ آخری سالوں میں علماء کا ایک طبقہ بھی مسلم لیگ کے ساتھ

آملا تاہم مجموعی طور پر مسلمان قوت منقسم رہی اور اس کا فائدہ خواہی نخواہی ہندو نے ہی اٹھایا۔اس جدوجہد کے نتیجے میں 1947ء میں برطانیہ بوریا بستر گول کر کے ہندوستان سے چلا گیا اور جنوبی ایشیا میں بھارت اور پاکستان کے نام سے دو سلطنتیں یا ریاستیں وجود میں آ گئیں۔

مسلمانوں نے 1857ء سے 1947ء تک سفر ایک نئے تجربے اور غلامی کے ساتھ طے کیا۔مزید برآں انگریز کی طرف سے نشانہ ظلم وستم بھی بنے رہے جبکہ ہندو پہلے سے ہی بیدار اور آمادہ عمل تھا۔ وہ تنظیمی، تعلیمی اور معاشی بیداری میں مسلمانوں سے آگے تھا اسی کا نتیجہ ہے کہ 1947ء کی آزادی کے بعد مسلمانوں اور ہندوؤں کی اگرچہ دو ریاستیں تو معرض وجود میں آ گئیں تھیں تاہم ان ریاستوں کے معاملات اور اس کے استحکام کے لئے قوم کی تیاری کے اعتبار سے دونوں ملکوں کی لیڈر شپ میں زمین آسمان کا فرق تھا۔

پاکستان بننے کے بعد تبادلہ آبادی کا معاملہ آیا اور بلا لحاظ مسلم لیگ اور کانگریس وہ مسلمان بھی ہجرت کر کے پاکستان آئے جنہوں نے بظاہر کانگریس کا ساتھ دیا تھا لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کے دو طبقات کے لوگ موجود ملک پاکستان میں جمع ہو گئے تھے۔

تاریخ عالم گواہ ہے کہ کوئی گروہ ،قوم یا اجتماعیت اٹھتی ہے اور محنت کرتی ہے تو اس کا منطقی نتیجہ یہ ہوتا ہے اور یہی اس کی خواہش اور مطمع نظر ہوتا ہے کہ اس کی کسی خاص علاقے میں حکومت قائم ہو جہاں وہ اپنے مخصوص نظریات کے مطابق زندگی گزارنے کے قابل ہو سکے اور دنیا کو اپنے نظریات کے ثمرات سے آگاہ کر سکے۔

انہیں تین صدیوں کے دوران اس کی مثال سکھ مت کی ہے سکھ مت ہندو ذہن کی پیداوار ہے اور مسلمانوں اور اسلام کے غلبہ کے خلاف پہلا ردّعمل بدھ مت اور دیگر غیر ہندو نظریات کی طرح ہندوؤں نے اسلام کے مقابلے میں بھی ایک ہندو مسلم نظریات کا ایک ہندو ایڈیشن نکالا تا کہ ہند کے عوام کو مسلمان ہونے سے روکا جا سکے اور اسی کو پروان چڑھا کر مسلمانوں ہی کے مدمقابل کر دیا۔جس نے محنت کر کے پنجاب کے ایک بڑے حصے بشمول سرحدی علاقہ جات حکومت قائم کی اور اپنے مرضی کے مطابق ملک چلایا مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک کیا،مساجد کی کیا بے حرمتی کی یہ الگ داستاں ہے شاہی مسجد سکھ دور 1789ء تا 1846ء میں

گھوڑوں کا اصطبل تھا پورے دورحکومت میں نماز کی پابندی اذان کی پابندی (سوائے ایک چھوٹی سی مسجد کے) قرآن لے کر چلنے پر پابندی اور مسلمانوں کے دیگر مذہبی رسومات پر پابندی کا قانون تھا۔

اسی طرح مسلمانوں کا وہ حصہ جو دیوبند کے زیر اثر آیا اور یوں انہیں ORTHODOX MUSLIM (قدامت پرست) مسلمان کہیں یا راسخ العقیدہ مسلمان بہرحال انہوں نے خلوص اور کوشش کے نتیجے میں شمالی مغربی علاقوں میں اپنا اثر ورسوخ دکھایا اور افغانستان میں طالبان کے نام سے حکومت قائم کر دی اس حکومت کے جلد منظر سے ہٹ جانے کا سبب اور کمزوریاں بالکل الگ موضوع ہے۔

جبکہ مسلمانوں کے دوسرے حصے کا سفر سر سید احمد خان مرحوم کے علی گڑھ سے شروع ہوا اور جدید تعلیمی نظریات کے زیر اثر سکولوں کالجوں سے ہوتا ہوا مغربی افکار ونظریات کے زیر اثر چلا گیا۔ اسلام اور اسلامی تعلیمات سے اس طبقہ کا تعلق صرف بچپن میں ہی قرآن پاک ناظرہ پڑھ لینا یا نماز اور تلاوت کی کسی حد تک پابندی رہ گیا۔ یہ اثر بھی پہلے زیادہ تھا اب اوسطاً کم ہوتا جا رہا ہے۔

اس طبقہ میں سب سے بڑی شخصیت علامہ اقبال کی تھی جنہوں نے اس طبقہ کو مغربی گمراہ کن افکار ونظریات میں بہ جانے کی بجائے قرآن اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا درس دیا اور شاعری میں پیغام دیا مسلمانوں کی زبوں حالی پر مرثیے کہے اور مسلمانوں کو جگایا تا آنکہ مسلمانانِ ہند مسلم لیگ کے قائد اعظم محمد علی جناح کی زیر قیادت پاکستان حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے مگر اس تحریک کی کم عمری اور اغیار کی سازشوں کی وجہ سے یہ مملکت خداداد پاکستان کو ایک مثالی جمہوری اسلامی فلاحی مملکت میں نہیں ڈھال سکے جس کا خواب علامہ اقبال نے دکھایا اب یہ سفر جاری ہے اللہ تعالے اس ملک پاکستان کی حفاظت فرمائے اور اس کو منزل سے ہمکنار کر دے جس کے لئے یہ حاصل کیا گیا تھا۔ اٰمین

مسلمانان پاکستان کی اسی کوتاہی کا ثمر ہے کہ پاکستان کے بارے میں عالمی سطح کے تجزیوں میں کبھی کہا جاتا ہے کہ پاکستان ہنوز اپنے تشخص کی تلاش میں ہے (IN SEARCH

(OF IDENTITY) گویا یہ بات بھی نگاہوں سے اوجھل ہے کہ پاکستان کیوں بنایا تھا۔ یا کبھی کہا جاتا ہے کہ پاکستان ایک ناکام ریاست ہے(FAILED STATE) یا پاکستان کا وجود خطرے میں ہے حصے بخرے ہوجائیں گے۔ خاکم بدہن مگر آدھا پاکستان 71ء میں ہم سے الگ ہو چکا۔

تاہم مسلمانوں کی بظاہر اس جدوجہد کی عمر ابھی ایک صدی ہے لہٰذا کہا جاسکتا ہے کہ اگر ہمارے اندر خلوص تھا اور خلوص ہے تو ان شاء اللہ اگلے 50-40 سال میں (گویا پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے سو سال بعد) یہاں ایک اسلامی جمہوری فلاحی ریاست کا آغاز ہوگا جو ٹھوس اور مثبت بنیادوں پر قائم ہوگی اور پھر ہر دوسرے نافع نظریہ کی طرح نوع انسانی کے دل کی آواز بن کر عالمی ریاست کا روپ دھار لے گی یہ بات مستقبل کا مورخ ہی طے کرے گا۔

زیادہ گہرائی میں جائیں! مسلمانان ہندوپاک کی احیائی وتجدیدی مساعی کی تاریخ ایک لحاظ سے گذشتہ چار صدیوں پر محیط ہے اور حضرت شیخ احمد سرہندیؒ، شیخ عبدالحق محدث دہلوی اورنگزیب عالمگیرؒ اور شاہ ولی اللہؒ، تحریک شہیدین اور شہدائے جنگ آزادی کے علاوہ علامہ اقبال اور حضرت شیخ محمود الحسنؒ دیگر رہنمائے ملت کے اسمائے گرامی لئے جاسکتے ہیں۔

اس جدوجہد میں اسلام کو سمجھنے اور اس کو عصر حاضر میں پیش کرنے کے اعتبار سے دو دھارے علیحدہ علیحدہ کام کرتے نظر آتے ہیں۔

ایک دھارا روایتی علماء دور بنوامیہ اورع دور بنوعباس کے دور کے نظریات اور فقہ اسلامی کی من وعن تقلید اور علم ھندسہ اور علم ہیئت کے سابقہ اصولوں اور نظریات کے مطابق قرآن حدیث کی تشریحات اور فلسفہ معاشرت وتمدن کا حامل نظر آتا ہے۔ ان کے نزدیک اسلام کے نفاذ کا مطلب حدود اللہ کا قیام اور نظام صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا قیام ہی اسلام کے غلبہ اور اظہار دین کے مترادف ہے چنانچہ فتاویٰ عالمگیری تحریک شہیدین تحریک آزادی ھند میں جمعیت علماء ہند کا نقطۂ نظر اور عصر حاضر میں طالبان کی حکومت کا قیام اسی سوچ کا مظہر ہے اور گویا اس سوچ کے حاملین کے خلوص واخلاص کا ثمر ہے کہ وہ ایک عارضی ریاست کے قیام پر منتج ہوا ہے۔ (اسی سوچ کے حامل قدیم علماء کی مساعی کا ایک دوسرا مظہر عالم عرب میں شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کی حکومت میں

شرکت کے اصول کے تحت کامیابی ہے جس میں اسلام کی کچھ حدود کا نفاذ ہے اور شرک وبدعت کا خاتمہ ہے۔

ان چار صدیوں کی جدوجہد کا دوسرا دھارا اس جدوجہد کے ساتھ ساتھ مرج البحرین کی سی شان کے چلتا رہے۔ اوراوپر درج شدہ عظیم مجددین ملت کی انتھک مساعی میں ہی اسلام کی روح اور قرون اولیٰ (پہلی صدی ہجری تک) جن کی فضیلت خود لسان رسالت علی الصاحب والصلوٰۃ والسلام سے بیان ہوئی ہے) کی شان دار روایت خالص عربی ثقافت اور شان صحابہ کرامؓ کا مظہر رہی ہے۔ گویا قیام پاکستان کی جدوجہد کی تاریخ بھی چار صوبوں پر محیط ہے اور جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے اسی دوسرے دھارے کی جدوجہد میں بھی اکابرین ملت اور مجددین امت کی کاوشوں کو فیصلہ کن عامل کہا جا سکتا ہے۔

چنانچہ پاکستان کی جدوجہد میں مجدد الف ثانیؒ کی تجدیدی شان۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی اطاعت واتباع رسول کے جذبے کا احیاء۔

اورنگ زیب عالمگیر کی اسلامی قانون کی تدوین وتنفیذ اورزورحیدری کا رنگ۔

حضرت عمرؓ کی سادگی۔

شاہ ولی اللہؒ کی وسعت نگاہ اورعمرانی اور سیاسی مسائل پر توجہ۔

فتح علی سلطان ٹیپو کی استقامت۔

سرسید احمد خان کی ملت اسلامیہ کے لئے بےقراری۔

شیخ محمود الحسن کی علی گڑھ آمد سے دھارے میں اسلامی رنگ کا ظہور۔

تحریک بحالیٔ خلافت کی امانت۔

علامہ اقبال کی مغربی سائنسی ترقی کو ایمان کی تفسیر اور قرآن کے عین مطابق قرار دینا، ملی اور دینی جذبات کی آبیاری اور اسلام کے عالمی غلبے کی نوید۔

جوہر برادران کا ملی جذبہ۔

قائداعظم کی ژرف نگاہی اور دوقومی نظریہ کا اثبات۔

مولانا شبیر احمد عثمانی اور ظفر احمد عثمانی کا خلوص واخلاص اور اکابرین وقائدین ملت،

صوفیائے عظام پاک وہند کی شب کی آہوں اور سحری کے آنسوؤں اور ملت اسلامیہ کے گمنام مرد وخواتین شہداء کے خون کی لالی شامل ہے جس کے نتیجہ میں پاکستان کی مملکت خداداد معرض وجود میں آئی اور یقیناً

ع روح شرق بدن کی تلاش میں ہے ابھی

کی طرح آج پاکستان اپنی 'روح' اور شناخت، نظام عدل وقسط، اسلام سیاسی سماجی معاشی عدل کے اصولوں پر ہر قسم کے استحصال سے پاک معاشرے کی تدوین اور تعمیر کے لئے شکست وریخت کے عمل سے گذر رہا ہے اور چونکہ اس میں مسلمانوں کے دوسرے دھارے کے تصور اسلام سے چونکہ فکری بُعد اور کہیں تعبیراتی اختلافات کا مسئلہ درپیش ہے اس لئے نئی تعمیر کے لئے پرانے تصورات کی ویرانی اور صفائی اس میں کہیں کہیں روایتی علماء اور فکری وارثان تحریک پاکستان میں ٹکراؤ کی شکل پیدا ہو جاتی ہے جو ان شاء اللہ عارضی اور مبنی بر غلط فہمی کی وجہ سے جلد رفع ہو جائے گی۔

اسی جدوجہد کا منطقی نتیجہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت اللعالمینی کا ظہور اور انسانیت کے لئے کامل مساوات، معاشی عدل اور سیاسی جبر سے پاک معاشرے کا قیام غیر مسلموں کے مکمل تحفظ کی گارنٹی اور جدید عالمی اسلامی جمہوری مثالی عوامی ریاست کا قیام ناگزیر ہے جو دنیا کے تمام ذہین عناصر اور فہیم طبقات کو مقناطیس کی طرح اپنی طرف کھینچ لے گا۔ اور وہ دن مسلمانوں کی نہیں اولاد آدم اور انسانیت کی فتح کا دن ہوگا۔

جنوبی ایشیا میں گذشتہ تین صدیوں میں برطانوی سامراج کی آمد اور اس سے آزادی کا دوسرا فریق ہندو تھا جو شہنشاہ اکبر (مرتد) کے دور سے بھی دو صدیاں پہلے بیدار ہوئے اور کئی نشیب وفراز گزر کر 1947ء تک پورے طور پر ایک منظم قوم کی حیثیت اختیار کر گئے تا آنکہ آزادی کے وقت وہ ملک سنبھالنے کے پوری طرح اہل تھے۔

آیئے دیکھتے ہیں دیگر اقوام کی طرح جب ہندو کو اقتدار ملا اور آزادی کے ساتھ اکثریت بھی اور بیداری بھی تو اس نے اپنے ملک کو اپنے نظریات کے مطابق ایک ریاست بنانے

کا مقصد کیسے اور کہاں تک حاصل کیا۔

مثالی ہندو جمہوری فلاحی ریاست

مثالی ہندو فلاحی ریاست پر کچھ شواہد سامنے لانے سے پہلے ایک بنیادی بات پیش نظر رکھنا ضروری ہے ورنہ اکثر شدید خلط مبحث واقع ہوجاتا ہے اور گوہر مقصود ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ وہ اہم بات یہ ہے کہ ہندومت یا دیگر مذاہب عالم (ماسوائے اسلام) کے پاس مذہبی تعلیمات کا جو بھی کچھ مواد تحریری زبانی یا روایات کی شکل میں موجود ہے اس کے مطابق انسانی زندگی کے انفرادی گوشوں کو کسی حد تک رہنمائی ملتی اور کم از کم اس حد تک دوسرے مذاہب سے تقابل اور EVALUATION کے لئے پیش بھی کیا جاسکتا ہے۔مگر انسانی معاشرہ کے اجتماعی گوشوں از قسم معاشرتی یا سماجی، اقتصادی یا معاشی اور سیاسی یا ریاستی پہلوؤں پر بہت کم رہنمائی میسر ہے یہ صورت حال ان مذاہب کے اکابرین کو بھی معلوم ہے لہٰذا (اسلام کے سوا) تمام مذاہب نے اس معاملے میں ایک متفقہ لائحہ عمل (UNDERSTANDING) یہ طے کرلیا ہے کہ اجتماعی گوشوں میں اپنی مذہب کی رہنمائی کے فقدان کو اسی بات سے پورا کرلیا جائے کہ یہ گوشے SECULAR بنیادوں پر چلائے جائیں اور ان میں مذہب اور آسمانی ہدایت یا وحی یعنی REVEALED KNOWLEDGE کے عمل دخل کو آہستہ آہستہ مفقود کردیا جائے تاکہ انسانی مزاج ہی SECUALR اور 'لادین' قسم کا بن جائے جس میں دین کا عنصر نہ ہونے کے ساتھ دین بیزاری اور دین سے فرار کا پہلو غالب رہے۔اس معاملے میں غیر مسلم دنیا تقریباً متفق ہے اور اس پر CONSENSUS رکھتی ہے کہ مذہب یا RELIGION کو ایک انفرادی فعل اور AFFAIR INDIVIDUAL AND GOD'S PRIVATE بنادیا جائے اور اس طرح کی ریاست کو عالمی سطح پر آشیرباد بھی حاصل ہو اور باہمی تعاون بھی، اس لئے کہ اس طرح کی ریاست اپنے تمام تر مذہبی رنگ RELIGION TOUCH کے باوجود اپنے انداز حکمرانی میں ایک جیسی ہوں گی اس قسم کی حکومت کو SECULAR کا نام دیا گیا ہے۔اور یوں شعوری، غیر شعوری طور پر اور بالارادہ اسلام کے عالمی اجتماعی نظام عدل قسط کے خلاف ایک WELL- PLANNED راستہ بنایا گیا ہے تاکہ اسلام اور دوسرے الفاظ میں عدل اجتماعی کا راستہ روکا جاسکے اور حکمرانوں کی

لوٹ کھسوٹ اور وسائل اور حکومتوں پر ناجائز قبضہ قائم ودائم رہے۔

اس نقطہ سے گذشتہ تین صدیوں یا ہندونقطہ نظر سے عہد اکبری سے آج تک جو اجتماعی کامیابیاں حاصل کی گئی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے۔

انفرادی اور مذہبی گوشے میں عقائد (DOGMAS) وعبادات (MODES OF WORSHIP) اور مذہبی رسومات (RITUALS) سے دیکھیں تو ہندونقطہ آج کل کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں ہے بلکہ انٹرنیٹ پر میسر ہونے کی وجہ سے ہر شخص کی دسترس میں ہے اس پر کوئی علمی تنقید یا بحث اس مضمون کا موضوع نہیں ہے تاہم چند اہم تاثرات جو اخبارات کی زینت بنتے رہتے ہیں وہ ضرور پیش خدمت ہیں۔

☆ بیوہ عورتوں کے ستی ہونے (شوہر کے ساتھ اپنے آپ کو زندہ جلا لینے) کی رسم۔

☆ غیر ہندو اقلیتوں پر حملے اور اس کے مذہبی معاملات میں مداخلت۔

(i) عیسائیوں کے ساتھ رویہ اور ان کا قتل۔

(ii) مسلمانوں کے ساتھ فسادات کا معاملہ اور مسلمانوں کی نسل کشی کی منصوبہ بندی عبادت گاہوں بالخصوص بابری مسجد وغیرہ کی بے حرمتی۔ بمبئی اور احمد آباد کے فسادات وغیرہ مسلمان کی مسجد حیدر آباد پر حملہ۔

☆ مسلمانوں کے لئے مذہبی جبر ملازمتوں، کاروبار، فوج، عدلیہ، میں 20% ہونے کے باوجود مسلم کی نہ ہونے کے برابر نمائندگی سکولوں میں زبردستی مسلمانوں کو ہندو تہوار اور رسوم ادا کرنے پر مجبور کرنا ہندو انتہا پسند تنظیموں کا نعرہ مسلمانوں کے دو امکان؛ پاکستان یا قبرستان وغیرہ

اجتماعی معاملات میں بھارت کے 60 سال کی جدوجہد کے تناظر میں حصول مقصد کی طرف جو اقدامات ہوئے اس کا ایک خلاصہ پیش خدمت ہے جس سے اہل علم ودانشور حضرات آئندہ چند دہائیوں کا نقشہ خود نگاہوں کے سامنے لا سکتے ہیں۔

کامیابیاں

☆ 1947ء کے بعد آئین کی تیاری منظوری۔

☆ جاگیرداری کا کسی حد تک خاتمہ۔

☆ سیکولر سٹیٹ کا اعلان اور اقلیتوں کو حقوق دینے کا وعدہ۔

☆ جمہوریت کا قیام اور تسلسل۔

☆ حکومتی اداروں کا قیام اور ان کا باہمی اشتراک کے ساتھ کام کرنا۔

☆ جمہوری اقدار کی پرداخت ونگہداشت اور سیاسی استحکام۔

☆ معاشی ترقی اور I.T. شعبے میں مغرب کا مقابلہ۔

ناکامیاں

☆ قیام ملک کے ساتھ ہی ریاست حیدرآباد پر قبضہ اور استحصال۔

☆ ریاست جوناگڑھ پر ناجائز قبضہ اور استحصال۔

☆ کشمیر پر وعدے کے باوجود کشمیریوں کو حق خود ارادیت نہ دینا۔

☆ اقلیتوں کے ناک میں دم کر دینا خصوصاً مسلمانوں پر ظلم ستم اور مختلف حیلوں بہانوں سے ان کے کاروبار تباہ کرتے رہنا۔

☆ ہندو انتہا پسند تنظیموں کا فروغ اور مسلمانوں پر حملے۔

☆ مسلمانوں کے حقوق، کاروبار، شہری آزادیوں کا بری طرح تعطل۔

☆ سرکاری ملازمتوں اور کارپوریشنوں میں مسلمانوں کی ملازمتیں نہ دینے کا معاملہ۔

☆ پڑوسیوں بالخصوص پاکستان کے ساتھ جارحانہ رویہ اور پاکستان کو دل سے تسلیم نہ کرنا۔

☆ مشرقی پاکستان کے بنگلہ دیش بنانے میں بنیادی کردار ادا کرنا۔

☆ معاشی بدحالی اور کسانوں کی خودکشیوں کی طویل فہرست۔

☆ عورت کا استحصال۔

☆ تعلیم کا فقدان۔

☆ مراعات اور سہولتوں کا اعلیٰ طبقات تک محدود ہونا۔ اور ملک میں سرمایہ دارانہ نظام کا فروغ اور غلبہ۔

☆ ذات پات کی تمیز اور مساوات انسانی کا مذاق۔

☆ انسانی حقوق کی دھجیاں بکھیر دینا اور غیر ہندو اقلیتوں کو ہندو بنانے کا منصوبہ۔

☆ ملک کی 40% آبادی کا خط غربت (POVERTY LINE) سے نیچے زندگی بسر کرنا۔

☆ پڑوسیوں کے معاملات میں مداخلت سری لنکا ، نیپال اور بھوٹان پاکستان سب سے کشیدہ حالات اور ان کو مسلسل دباؤ میں رکھنا۔

☆ علاقے میں کسی بڑے دشمن کے سامنے نہ ہونے کے باوجود ایٹمی ہتھیاروں میں پہل کرنا اور اس کے انبار لگا دینا جبکہ عوام بنیادی حقوق تک سے محروم ہوں۔

نتیجتاً یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ!

بھارت بے شمار کامیابیوں کے باوجود ایک جمہوری ریاست سہی ایک فلاحی ریاست کا ابھی نام بھی لینے کی پوزیشن میں ہے اور غریب عوام کے لئے ملکی وسائل کا کوئی حصہ نہیں بلکہ سارے وسائل صرف اعلیٰ طبقات کی لوٹ کھسوٹ کا میدان ہے۔

بھارت کی طرف سے ممکنہ دفاع میں صرف یہی کہا جاسکتا ہے اس طویل اجتماعی نشاۃ ثانیہ کے لئے ساٹھ سال کا عرصہ کم ہے اور آئندہ دہائیوں میں یہ کام مکمل ہوجائے گا۔

لہٰذا ___ یہ بات نوشتہ دیوار ہے اور اس میں مسلمان اور ہندو یورپی اور امریکی حکومتیں بھی مستثنیٰ نہیں ہیں کہ جو اجتماعیت اپنے عوام کو اجتماعی عدل وانصاف مساوات اور اظہار رائے کی آزادی سمیت اور اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ کا احساس فراہم نہیں کرسکتی وہ جلد یا بدیر مایوسیوں کے گہرے بادل چھوڑ کر صفحہ ہستی سے مٹ جاتی ہیں یہ دنیا MIGHT IS RIGHT کے اصول کے تحت ایک A MINUTE MINORITY کے ہاتھوں میں کھلونا ہے اور وہی اس کے وسائل پر قابض ہیں اور عدل وانصاف اور آزادی مساوات کے دشمن ہیں اس لئے ایسی حکومتوں کو برداشت نہیں کرسکتے جو ان اعلیٰ اقدار کی علمبردار ہوں ___ تاہم کسی حکومت کا ان اعلیٰ اجتماعی اقدار کے قیام کے لئے جدوجہد اور مسلسل محنت کے بعد کامیابی سے ہمکنار ہونا اور اس کا ایک قابل ذکر عرصے تک باقی رہ جانا یہ بالکل دوسری بات ہے اور بالکل جدوجہد ہی نہ کرنا اور اس کا

کوئی عندیہ اور ایجنڈا اور نقشہ ہی اہل علم و دانشور حضرات کے سامنے نہ ہونا یہ نا کامی کا دوسرا نام ہے

بھارت نے بھی اگر آئندہ تین چار دہائیوں میں اپنے ملک کے باسیوں کو ان اعلی اجتماعی اقدار کے حوالے سے اپنے ہندو غریب محنت کش عوام اور بالخصوص اقلیتوں کو احساس محرومی کا بھر پور ازالہ نہ کیا تو (ا) خود ہندوؤں کی آئندہ نسلیں اس بات سے اتفاق کریں گی کہ ہندو مذہب کے پاس انسانی فلاح کا کوئی پروگرام نہیں ہے اور عوام میں تو مایوسی ہی مایوسی کا سایہ رہے گا E L I T E طبقہ کسی دوسرے قابل عمل اور انسانی حقوق کے ضامن JUST POLITICO-SOCIO-ECONOMIC SYSTEM اور عدل و مساوات کے علمبردار مذہب اور دین کی طرف چل کھڑے ہوں گے اور تاریخ برعظیم پاک و ہند ایک نیا موڑ لے رہی ہوگی ہو بہو ایسا ہی موڑ ہندوستان کے باسیوں نے غوری وغزنوی کے دور میں مقامی ہم مذہب راجاؤں کے ظلم و ستم سے نجات کے لئے لیا تھا اور کہیں تاریخ گھوم کر دوبارہ اسی مقام کی طرف نہ آجائے۔اس وقت یہ کام عوامی سطح پر ہوا تھا اور اب شاید یہ کام ملک کے تعلیم یافتہ مراعات یافتہ اور ELITE طبقہ یعنی برہمن کے اجتماعی اسلام پر منتج ہو۔

ع انقلابِ دوراں ہم نے یوں بھی دیکھے ہیں

تاہم_____ یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ دنیا میں انسان کی طرح انسانوں کی اجتماعیت، مثلاً قوموں، نسلوں، حکومتوں، نظریات اور تہذیبوں کی بھی ایک زندگی ہے اللہ تعالی مواقع ہر ایک کو دیتا ہے عروج ہوتا ہے حکومت بن جاتی ہے کسی خاص خطہ زمین میں اختیار حاصل ہو جاتا ہے۔ مگر انہیں لوگوں کی دوسری تیسری نسل میں ایسے لوگ سامنے آتے ہیں جو ظلم، ناانصافی، لوٹ کھسوٹ، نسلی، لسانی اور مذہبی امتیاز روا رکھتے ہیں اور نتیجتاً صفحہ ہستی سے مٹ جاتے ہیں۔

یہ اصول خالق کائنات کا اتنا اٹل اصول ہے کہ اس سے کافر اور غیر مسلم تو کیا کوئی مسلم معاشرہ اور اجتماعیت بھی مستثنیٰ ہے۔

اسی دنیا میں قومیں اور تہذیبیں کچھ اصول اور محنت و دیانت کا جذبہ لیکر اٹھتی ہیں اور

بے اصول، کمزور، ظالم، اور انسانی تحقیر اور امتیازات کے حامل معاشروں کو بہا کر لے جاتی ہیں مگر صدی دوصدی بعد وہ خود ایسے ہی خود غرضانہ طرزِ عمل کا مظاہر کرتی ہیں اور کسی اور با اصول اور نوخیز اجتماعیت یا تہذیب کے ہاتھوں فنا ہو جاتی ہیں۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی با اصول دیانت اور امانت پسند اجتماعیت اپنے قدم جمانے کی فکر کرتی ہے مگر گردوپیش کے ظالم معاشرے اور غالب تہذیبیں ایسی نوزائیدہ خیر و برکت والی اجتماعیت کو اپنے لئے 'موت کا پیغام' سمجھ کر اس کو نیست نابود کر دیتے ہیں۔

مستقبل کے حالات تو اللہ تعالیٰ اور خالق کائنات ہی بہتر جانتے ہیں یا قدرے وہ اہل علم جانتے ہیں جن کی عقابی نگاہیں حالات کو اس اعلیٰ مقام سے دیکھ رہی ہیں۔ تاہم یہ بات علی الاعلان کہی جا سکتی ہے کہ اگر پاکستان اور اہل پاکستان کا وہ طبقہ جو جنگ آزادی کے بعد جدید تعلیم سے روشناس ہوا اور قدیم وجدید اسلامی رنگ کا حامل ہے اور اس کی جدوجہد علامہ اقبال ابوالکلام آزاد سے گذر کر مسلم لیگ کے ذریعے سے قیام پاکستان پر منتج ہوئی تھی اگر قیام پاکستان کے مشن کو سینے سے لگا کر اور بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کے اسلامی ذہن کو لیکر آگے چلتا ہے اور ایک مثالی اسلامی جمہوری فلاحی ریاست بنانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ جس کی طرف صرف ایک اشارہ کافی ہے۔ فرمایا مصور پاکستان علامہ اقبال نے

"I WOULD LIKE TO SEE THE PUNJAB,THE
NORTH-WEST FRONTIER PROVINCE, SINDH
AND BALUCHISTAN AMALGAMATED INTO A
SINGLE STATE. SELF GOVERNMENT WITHIN
THE BRITISH EMPIRE OR WITHOUT THE
BRITISH EMPIRE, THE FORMATION OF A
CONSOLIDATED NORTH WEWST-INDIAN
MUSLIM STATE APPEARS TO ME TO BE THE

FINAL DESTINY OF THE MUSLIMS, AT LEAST OF NORTH-WEST INDIA."

''میں پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان کو متحد ہو کر ایک واحد ریاست کی شکل میں دیکھنا چاہتا ہوں، جس کی اپنی حکومت ہو خواہ سلطنت برطانیہ کے تحت یا اس سے الگ اور مجھے نظر آ رہا ہے کہ یہ متحدہ شمال مغربی مسلم ریاست کم از کم شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے تقدیر مبرم ہے۔''

"I THEREFORE DEMAND THE FORMATIOOF A CONSOLIDATED MUSLIM STATE IN THE BEST INTERESTS OF INDIA AND ISLAM."

''لہٰذا میں ہندوستان اور اسلام کے بہترین مفاد میں ایک الگ مسلم ریاست کے بنانے کا مطالبہ کرتا ہوں۔''

"FOR ISLAM IT WILL BE) AN OPPORTUNITY TO RID MOBILIZE ITSELF OF THE STAMP THAT ARABIAN ITS TO IMPERIALISM WAS FORCED TO GIVE TO TO LAWS,ITS EDUCATION, ITS CULTURE AND TO BRING THEM INTO CLOSER CONTACT WITH ITS OWN ITS OWN ORIGINAL SPIRIT AND WITH THE SPIRIT OF THE MODERN ITEMS."

''اسلام کے لئے یہ ایک موقع ہوگا کہ عرب ملوکیت کے تحت اس پر جو پردے پڑ گئے تھے ان سے چھٹکارا حاصل کر سکے اور اپنے قوانین، تعلیمات اور ثقافت کو اپنی اصل روح کے ساتھ روح عصر سے ہم آہنگ کر سکے۔''

اور فرمایا بانی پاکستان محمد علی جناح نے

GOD HAS GIVEN AN OPPORTUNITY TO BE

ARCHITECTS OF AA NEW NATION AND LET IT NOT SAID WE DID NOT PROVE EQUAL TO THE TASK. (KARACHI 11 OCTOBER 1947)

مفہوم

''خالق کائنات نے ہمیں ایک نئے ملک، ایک نئی تہذیب، ایک نئی قوم کی تعمیر کا موقع فراہم کیا ہے اور ہمیں اس کے لئے اپنا فرض ادا کرنا چاہئے کہیں مستقبل کا مؤرخ یہ لکھنے پر مجبور نہ ہو کہ ہم اس کام کے اہل ثابت نہ ہوئے''

اور دنیا کو اعلیٰ حکومتی لیول پر حریت، آزادی مساوات اور کفالت عامہ کے تصورات کا چلتا پھرتا نمونہ پیش کر دیتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس وقت ساری دنیا اس کی طرف متوجہ ہو جائے۔

اوپر درج کردہ تمام گذارشات میں براہ راست تذکرہ ہندو اور مسلم تہذیبوں اور سوچ کا ہے جبکہ اس پوری جدوجہد میں اور تین صدیوں پر پھیلی ہوئی جدوجہد کا ایک تیسرا فریق بھی تھا اور وہ تھا ''یورپی مسیحی'' استعمار جس کا نمائندہ برطانیہ تھا اور جو پہلے تجارتی انداز میں ایک تجارتی کمپنی ایسٹ انڈیا کمپنی (E.I.C) کے نام سے آیا اور پھر برطانوی شہنشاہیت کے زیر سایہ ملک کو دے دیا۔

اس ملک برطانیہ اور اس کے عالمی مسیحی استعمار پر گذشتہ تین صدیوں میں کیا گذری وہ بھی دنیا کے اصول عروج و زوال سے مستثنیٰ نہیں ہے اس برطانیہ کا مختصر تذکرہ بھی قارئین کے لئے دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

☆ اٹھارویں صدی میں برطانیہ (اور دیگر یورپی اقوام) تمام دنیا پر بحری قبضہ کر چکی تھیں اور بہت سے علاقوں پر در پردہ بری قبضہ کا آغاز بھی ہو گیا تھا۔

☆ انیسویں صدی عیسوی میں علمی ترقی، نئی ایجادات اور جنگی صلاحیت کے جلو میں وہ ہندوستان اور عثمانی سلطنت کے ساتھ ساتھ ساری دنیا پر عملاً قابض ہو چکا تھا۔ کہیں

فرانسیسی اور ولندیزی تھے بھی تو بھی ان کی سوچ اور تہذیب ایک ہی تھی۔

☆ بیسویں صدی کے آغاز میں برطانیہ کی سلطنت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا تاہم پہلی جنگ عظیم 18-1914 اور دوسری جنگ عظیم 45-1939 کے بعد برطانیہ کا ستارہ ڈوبنا شروع ہوا اور عالمی استعمار کی باگ دوڑ ظاہراً امریکہ اور درپردہ UNO IMF اور WB کے ہاتھوں میں چلی گئی۔

☆ مسیحی یورپی استعمار چونکہ نادیدہ قوتوں کے زیر اثر رہا ہے لہٰذا برطانیہ کے کمزور ہونے پر ان نادیدہ قوتوں نے اپنا دست شفقت امریکہ پر رکھ دیا اور اب ساٹھ سال بعد شاید یہ دست شفقت یورپی یونین پر رکھا جانے والا ہے۔

تاہم اس مغربی تہذیب کی بھی چھ صدیوں کی داستانِ عروج اب انجام کو پہنچنے والی ہے

دوستی رحمٰن کی ۔۔۔۔۔ یا ۔۔۔۔۔شیطان کی

عبادالرحمٰن یا اولیاءاللہ وہ خوش نصیب لوگ ہیں جو اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سا کردار رکھتے ہیں اور اسلام کی مغلوبیت کے دور میں جہاد وقتال کے لئے کوشاں رہتے ہیں تا آنکہ میدان جہاد میں قتل کرتے بھی ہیں اور قتل ہوتے بھی ہیں وَیَقتُلُونَ وَیُقتَلُونَ کی شان سے آگے بڑھتے ہیں اور فَلَم تَقتُلُو ھُم وَلَکِنَّ اللّٰہِ قَتَلُھُم کا درجہ پاتے ہیں جو صرف سَابِقُونَ الاَوَّلُونَ اور مقربین بارگاہ کے لئے خاص ہے اور اسلام کے غلبے کے دور میں نفلی عبادات اور ذاتی نیکی کے ذریعے اپنے کاموں میں خدا کی طرف سے خصوصی برکت اور حیران کن نتائج پاتے ہیں۔ ان کی شان لسانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں بیان ہوئی ہے۔

قال رسول الله ﷺ :اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی قَالَ: مَن عَادیٰ لِی وَلِیّاًفَقَدٰاٰذَنتُہٗ بِالحَرب ،وَمَاتَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبدِی بِشَیءٍ اَحَبَّ اِلَیَّ مِمَّاافتَرَضتُ عَلَیہِ،وَلَا یَزَالُ عَبدِی یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّیٰ اُحِبَّہ' فَاِذَا اَحبَبتُہُ کُنتُ سَمعَہُ الَّذِی یَسمَعُ بِہ وَبَصَرَہُ الَّذِی یُبصِرُ بِہٖ وَیَدَہُ الَّتِی یَبطِشُ بِھَا وَرِجلَہُ الَّتِی یَمشِی بِھَا، وَلَئِن سَاَلَنِی لَاُعطِیَنَّہُ وَلَئِنِ استَعَاذَنِی لَاُعِیذَنَّہ ُ(رواہ البخاری عن ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ : جو شخص میرے کسی ولی (دوست) سے عداوت رکھے میرا اس سے اعلان جنگ ہے۔ میرا بندہ میرے فرض کردہ امور کے سوا کسی اور چیز کے ذریعے میرے زیادہ قریب نہیں آ سکتا میرا بندہ نوافل (نفلی عبادات) کے ذریعے میرے قریب ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ وہ مجھ سے مانگے تو میں اسے ضرور دیتا ہوں وہ مجھ سے پناہ طلب کرے تو میں اسے ضرور پناہ دیتا ہوں (بخاری)

اولیاءالشیطان یااللہ کی نافرمانی کرنے والے جوشراب (اور دیگرنشہ آور اشیاء) استعمال کرتے ہیں اورتوبہ نہیں کرتے وہ بارگاہ خداوندی سے دور کردیئے جاتے ہیں اور شیطان اپنی طرح انہیں ہر گندی جگہ پہنچا دیتا ہے اور ہر غیر انسانی اور غیر اخلاقی فعل کے مرتکب ہوتے ہیں جو عام انسان بھی نہیں سوچ سکتا ہے ایسے لوگوں کے بارے میں قرآن مجید میں منافق کا خطاب ہے اور دور رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فاسق و فاجر کے ناپسندیدہ الفاظ کا مصداق بنتے ہیں لسان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان لوگوں کی بدنصیبی کی کیفیت یوں بیان ہوئی ہے۔

قال رسول اللہ ﷺ :لَنْ یَزَالَ الْعَبْدُ فِی فُسْحَةٍ مِنْ دِینِهٖ مَالَمْ یَشْرَبِ الْخَمْرَ فَاِذَا شَرِبَهَا خَرَقَ اللّٰهُ عَنْهُ سِتْرَهٗ وَ كَانَ الشَّیْطَانَ وَلِیَّهٗ وَسَمْعَهُ وَبَصَرَهُ وَ رِجْلَهُ یَسُوْقُهُ اِلٰی كُلِّ شَرٍّ وَیَصْرِفُهٗ عَنْ كُلِّ خَیْرٍ۔

(رواہ طبرانی عن قتادہ بن عیاش)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا! بندہ اس وقت تک اپنے دین کی کشادگی میں رہتا ہے جب تک شراب نہ پیئے، جب وہ شراب پی لیتا ہے اللہ اس کے پردہ کو پھاڑ دیتا ہے اور شیطان اس کا دوست بن جاتا ہے اور اس کا کان، آنکھ اور پاؤں بن جاتا ہے اس کو ہر برائی کی طرف ہانکتا ہے اور ہر اچھائی سے ہٹا دیتا ہے

خطبہ کی اذان

اور

نماز میں موبائل گھنٹی کا مسئلہ

مولانا مفتی عبدالصبور (استاذ حدیث جامعہ ابو ہریرہ)

السوال الاوّل: خطبہ اذان کے وقت امام کے بالکل سامنے یا دائیں بائیں کھڑے ہونا چاہئے؟ اگر امام کے سامنے ہو تو کتنے فاصلہ پر کھڑا ہونا چاہئے؟ وضاحت فرمائیں۔

السوال الثانی: بعض اوقات نماز میں موبائل فون کھلا رہ جاتا ہے، کالز آتی ہیں، تو کیا نماز میں موبائل کو بند کردینے سے نماز میں فرق پڑتا ہے۔ (حافظ محمد ندیم ربانی ۔۔۔ فورملی ضلع اٹک)

الجواب الاوّل: جمعہ کی اذان ثانی مسجد میں منبر کے پاس خطیب کے سامنے کہنا سنت ہے۔ زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور زمانہ صحابہ کرام سے یہی متوارث ہے۔

ویؤذن ثانیا بین یدیه ای الخطیب (الدرالمختار) قوله ویؤذن ثانیاً بین یدیه ای علی سبیل السنیة کما یظهر من کلامهم (ردالمحتار باب الجمعة ـ ص770 ج1)

الجواب الثانی: ضروری ہے کہ نماز شروع کرنے سے پہلے موبائل کی گھنٹی بند کردی جائے اور اس کا خاص اہتمام رکھنے کی عادت ڈالی جائے لیکن اگر اتفاق سے گھنٹی بند کرنا بھول جائے اور دوران نماز گھنٹی بجنے لگے تو عمل قلیل کے ذریعے (ایک ہاتھ سے جیب میں رکھے رکھے) موبائل بند کردینا چاہئے اس سے نماز میں کوئی خرابی نہ آئے گی موبائل بند کرنے کے لئے نماز توڑنے کی ضرورت نہیں، اور اگر دیکھنے والا اس نمازی کو دیکھ کر گمان کرے کہ یہ نماز میں نہیں ہے تو یہ عمل کثیر ہے۔ (مثلاً بار بار موبائل نکالنا اور گھنٹی بند کرنا) جو مفسد صلوٰۃ ہے، اور اگر موبائل بند نہیں کیا اور گھنٹی مسلسل بجتی رہی تو نماز درست ہوجائے گی لیکن مسلسل گھنٹی بجتے رہنا دوسرے نمازیوں کے لئے سخت ناگواری اور خود اپنی نماز کے خشوع وخضوع میں خلل آنے کا باعث ہے۔ واتفقوا علی ان القلیل مفسد والقلیل لا، لامکان التحرز عن الکثیر دون القلیل الخ ـ و فی الخلاصة والخانیة ان کل عمل لایشك الناظر انّه لیس فی الصلٰوۃ فهو قلیل قال فی البدائع وهٰذا اصحّ وتابعه الشارح والو الجی وقال فی المحیط انه الاحسن وقال صدر الشهید انه الصواب (البحر الرائق ۱۱/۲)

انٹرنیٹ کی ہلاکت خیزیاں اوران سے بچنے کی تدابیر

مولانامفتی محمودزبیرقاسمی

حیدرآباد

انسانی اقدار روز بروز روبہ زوال ہیں۔اخلاق وکردار کی گراوٹ روز افزوں ہے۔ بعض طبقوں کی جانب سے اپنے حقیر مفادات کے حصول کے لئے اس کی حوصلہ افزائی بھی کی جارہی ہے۔ یہ مسئلہ اس وقت اور سنگین ہوجاتا ہے جب نوجوان نسل کی بات آتی ہے، کیونکہ یہ کسی بھی قوم کا سرمایہ ہوتے ہیں، کسی بھی قوم کے انقلاب میں گراں قدر حصہ انہی نوجوانوں کا ہوتا ہے دوسری طرف نوجوان عقل کے کچے اور جذبات کے اندھے ہوتے ہیں جس طرف ان کی عقل چل گئی، چل گئی، جیسی بھی ان کی فکر بن گئی، بن گئی۔ زندگی کا یہ دور بڑا نازک دور ہوتا ہے، اس مرحلہ میں آدمی بنتا بھی ہے اور بگڑتا بھی ہے، جو نقوش اس وقت مرتب ہوتے ہیں، زندگی بھر کے لئے ہوتے ہیں، کل محشر کے میدان میں بھی بطور خاص زندگی کے اس حصہ کے اعمال کی باز پرس ہوگی۔(الحدیث)

لن تزول قدما عبدٍ يوم القيامة حتى يسئل عن أربع خصال،
عن عمره فيما أفناه، وعن شبابه فيما ابلاه، وعن مالهٖ
من اين اكتسبه وفيما أنفقه وعن علمهٖ ماذا عمل فيه

(الترغیب والترہیب:۲۱۴۱۴)

’’کسی شخص کےقدم قیامت کے دن اس وقت تک اپنی جگہ سے نہیں ہٹیں گے جب تک کہ چار باتوں سے کی اس سے پوچھ گچھ نہ ہوجائے: (1) عمر کہاں لگائی؟ (2) جوانی کہاں گنوائی؟ (3) مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا؟ (4) علم پر کہاں تک عمل کیا؟‘‘۔

جس قوم کے جوانوں میں عقابی روح بیدار ہوتی ہے، کچھ کرگزرنے کا جذبہ ان میں

انگڑائی لینے لگتا ہے تو تاریخ بتاتی ہے کہ وہ قوم ترقی کی معراج پر ہوتی ہے اور جس قوم کے جوان خوابیدگی کا شکار ہو جاتے ہیں وہ قوم روز افزوں تنزل کی طرف بڑھتی رہتی ہے۔

سائنس وٹیکنالوجی کی دم بخود ترقی نے جہاں نئے، نئے ایجادات اور انکشافات سے دنیا کے لئے سہولیات اور معلومات کا انبار لگا دیا، وہیں اس نے دنیائے شہوت پرستی کے لئے نئی راہیں بھی کھول دیں۔ مواصلاتی دوریوں نے سمٹ کر جہاں انسانیت کو آسانیاں دیں، وہیں نفسانی خواہشات کے دیوانوں کے لئے تسکین کا سامان بھی کیا۔ چند دن قبل شائع شدہ اخباری رپورٹ کے مطابق ''کچے گوشت'' کی دلالی کا کاروبار بھی انٹرنیٹ پر زور وشور سے ہو رہا ہے جس میں مالدار اور ان میں بالخصوص نوجوان نسل کو مائل کیا جارہا ہے اور بڑی بھاری رقومات ان سے حاصل کی جارہی ہیں، بلکہ بہانے DEDIT اور CREDIT CARDS کے نمبرز حاصل کرتے ہوئے اور ان کے PASSWORDS کو محفوظ کرتے ہوئے کھاتے خالی کئے جارہے ہیں، یعنی اخلاق وایمان کی بربادی کے ساتھ مال کی بھی بربادی، اس کے علاوہ بیسیوں ویب سائٹس فحش مناظر اور لٹریچر سے بھری ہیں، جذبات مشتعل بھی کئے جارہے ہیں اور اس کی تسکین کے لئے دلالی بھی کی جارہی ہے۔

حکومت کی جانب سے انفارمیشن ٹیکنالوجی کو فروغ دینے کے لئے مختلف اقدامات کئے جارہے ہیں، لیکن انتہائی بے ہودہ اور فحش ویب سائٹس کو بند کرنے کے لئے کسی بھی طرح اقدام نہیں کیا گیا اور نہ ہی انٹرنیٹ فراہم کرنے والوں نے اپنی اخلاقی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے اس طرح کی ویب سائٹس کو بند کرنے کی کوشش کی، جس کے نتیجہ میں ایسا لگتا ہے جیسے بے حیائی اور فحاشی کا سیلاب اُمڈ آیا ہے۔ اور بالخصوص نوجوان نسل اس کی زد میں ہے۔

بی بی سی ٹیلی ویژن نے اس سلسلہ میں ماہرین نفسیات اور عام شہریوں کے درمیان 2003ء سے قبل ایک مباحثہ کا اہتمام کیا، جس میں بتایا گیا ہے کہ 15% سے زائد افراد ہیجان انگیز اور عریاں مواد سے دل بہلاتے ہیں، اسی مباحثہ میں اس رپورٹ کا بھی افشاء کیا گیا کہ 9% برطانوی لوگ فی ہفتہ گیارہ گھنٹے جنسی تصاویر دیکھتے ہیں۔ یہ رپورٹ آج سے چار سال قبل کی ہے، جب انٹرنیٹ اور کمپیوٹر کا شیوع اس قدر نہیں تھا، غریب طبقے کے مقابلے میں مالدار لوگ انٹرنیٹ پر

شہوانیت کے نت نئے طریقے سیکھ رہے ہیں، جنسی طور پر ایک دوسرے کو تکلیف دے کر خوش ہونا، ہم جنس پرستی ، جانوروں سے تعلقات ، چھوٹے بچوں، بچیوں، عورتوں، بوڑھوں، ماں بہن، بیٹی کے ساتھ عمل قوم لوط، زنا بالجبر اور دیگر کئی طرح کی مالدار اور انٹرنیٹ سے مربوط نوجوان نسل سیکھ رہی ہے، جس کو وہ اپنے معاشرے اور بیویوں کے ساتھ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، جس سے رشتوں کا تقدس پامال ہو رہا ہے اور شادی شدہ جوڑے بے کیفی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ رپورٹ کے مطابق اس وقت امریکہ میں کئی لاکھ جوڑے ایسے ہیں جن کی ازدواجی زندگی انٹرنیٹ کی وجہ سے تباہ ہو چکی ہے۔، ایک محتاط اندازے کے مطابق اس وقت انٹرنیٹ پر دس لاکھ سے زائد عریاں تصاویر موجود ہیں اور ایک لاکھ سے زائد عریاں فلمیں انٹرنیٹ سے حاصل کی جاسکتی ہیں۔

یہ تو ان بے ہودہ اور غلط پروگراموں کی ہلکی سی جھلک ہے، حقیقتاً ایسے بہت سے پروگرام انٹرنیٹ پر کمپیوٹر کے ذریعہ سے دستیاب ہیں جنہیں دیکھ کر شرافت آنکھیں بند کر لیتی ہے۔

ماں باپ اور سرپرست پوری احساس ذمہ داری کے باوجود اپنی نوجوان نسل کو اس طرح کے فواحش سے روکنے میں بہت کم کامیاب ہیں۔ بالخصوص پڑھا لکھا طبقہ، ان کے یہاں اگر بچوں کو انٹرنیٹ کے سے روکا جائے تو معلومات کے ایک اہم ذخیرہ سے محروم رہیں اور اگر اپنے گھر انٹرنیٹ رکھیں تو ان کی نگرانی کیسی کی جائے؟ اور ان کو فحش ویب سائٹس سے کیسے بچایا جائے؟ انٹرنیٹ کے استعمال کنندگان جانتے ہیں کہ انٹرنیٹ نے دنیا کو ایک گاؤں کی شکل دے رکھی ہے۔ یہ ایک ایسا سلسلہ ہے جس سے کروڑہا افراد بیک وقت مربوط اور ایک دوسرے کے خیالات اور سہولتوں سے استفادہ کر سکتے ہیں، یہاں ہر اہم عالمی چیز آپ کو مل جاتی ہے، اس کی معلومات ،تعارف اور توضیحات بس ایک ''کلک'' کی محتاج، کسی بھی اہم مسئلہ کی عقدہ کشائی چند منٹوں میں ہو جاتی ہے، دنیوی میدان میں بہت کم چیزیں ایسی ہیں جو انٹرنیٹ پر دستیاب نہ ہوں، معلومات کے حصول کی اتنی بڑی سہولت سے اگر آپ اس کو روکنا چاہیں تو یہ مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے اور حصول تعلیم کے ذرائع سے روکنے کا الزام بھی آپ کے سر لگا دیا جائے گا۔

یہ بات بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ دین محض نماز، روزے، اور دیگر عبادات ہی کا نام نہیں بلکہ زندگی کے ہر عمل اور ہر حرکت کے لئے دین اسلام میں رہنمائی موجود ہے اور بحیثیت مسلمان

ہمیں ان کا اتباع بھی لازم ہے۔

لہٰذا اس تعلق سے اعتدال کی راہ یہ ہے کہ اسلامی حدود میں رہتے ہوئے اس کا استعمال ہوا اور اس کے برے اثرات سے بچنے کے لئے احتیاطی تدابیر اختیار کی جائیں۔ آپ کو یہ جان کر یقیناً حیرت ہوگی اور آپ مسرور ہوں گے کہ انٹرنیٹ کے مختلف پروگرام چلانے کے لئے جہاں بہت سے سافٹ ویئر ہیں، وہیں چند ایک پروگراموں اور SEX BASED SITES کو BLOCK کرنے کے لئے بھی چند ایک سافٹ ویئر موجود ہیں۔

اگر آپ کے نیٹ فراہم کرنے والے مخصوص اور غیر شرعی ویب سائیٹس کو بند کرنے کی کوئی سہولت نہ دیں تو آپ مندرجہ ذیل سافٹ ویئر کی مدد سے جو مارکیٹ میں دستیاب بھی ہیں، نامناسب، غیر اخلاقی، فحش اور اسلام مخالف ویب سائٹس کو بند کر سکتے ہیں۔ ان سافٹ ویئرز کے نام حسب ذیل ہیں:۔

(1)CYBER SITTER. (2)NET NANNY. (3)CYBER PETROL. (4)NORTON INTERNET SECURITY. (5)MCAFEEPARENATAL CONTROL.

ان سافٹ ویئرز کو اپنے کمپیوٹرز پر انسٹال (INSTALL) کریں، اس کے بعد ان کی SETTING کریں، یہ فحش ویب سائٹس کو بلاک (بند) کر دیتے ہیں در اصل یہ سافٹ ویئر بھی غیر اسلامی ویب سائٹس کو بنیادی طور پر بند نہیں کرتے لیکن ان میں ایسے آپشنز (OPTIONS) ہوتے ہیں جن کی مدد سے آپ کسی غیر شرعی اور فحش ویب سائٹس کو بند اور BLOCK کر سکتے ہیں، ان سافٹ ویئرز کی سیٹنگ (SETTING) مشکل ضرور ہیں مگر ناممکن نہیں۔

سافٹ ویئرز کی مدد سے فحش اور غیر اسلامی لٹریچر سے بچنے کا یہ طریقہ ان حضرات کے لئے تھا، جہاں حکومت اور نیٹ فراہم کرنے والے ادارے اس طرح کی ویب سائٹس کو بلاک کرنے کی کوئی سہولت اپنے صارفین کے لئے فراہم نہ کیے ہوں، ان کے بالمقابل ترقی یافتہ مما لک میں اقامت پذیر لوگوں کے لئے یہ مسئلہ آسان ہے، وہ اس طور پر کہ ان مما لک کے لوگ جب انٹرنیٹ کا کنکشن خریدیں تو اس وقت اس کمپنی سے جس سے انٹرنیٹ خرید رہے ہیں یہ کہیں کہ

ہمیں PARENTAL CONTROL چاہئے یا اگر انٹرنیٹ خریدتے وقت کمپنی کوئی فارم پر کروالے تو اس میں PARENTAL CONTROL پر TICK کردیں، اس طریقہ پر جب آپ اس انٹرنیٹ فراہم کرنے والی کمپنی کے صارف بنیں گے تو آپ کے گھر استعمال ہونے والے کمپیوٹر پر فحش مواد پر مبنی ویب سائٹس نہیں کھلیں گی۔

انٹرنیٹ کی مضرتوں سے بچنے کے لئے مذکورہ بالا طریقوں کو اختیار کرنا اور اپنے گھر والوں کے ایمانی، اسلامی، اخلاقی اور تہذیبی اقدار کے تحفظ کے لئے ان کی مسلسل نگرانی ناگزیر ہے ورنہ انٹرنیٹ سے ضرر رساں تعلق قائم کرتے ہوئے آپ یہ بھی ضرور سوچ لیں کہ آپ اپنے گھر والوں کے مذہب، تہذیب اور اخلاق کی تباہی کے ذمہ دار بھی ہیں، آپ کی بچی کسی اجنبی سے بات کرے تو کیا آپ بے تعلق رہ سکتے ہیں؟ یقیناً ہرگز نہیں، لیکن یقین کریں کہ انٹرنیٹ پر گھر بیٹھے یہی سہولتیں فراہم کی جارہی ہیں، شیطان اور اس کے پیروکار گھروں میں گھس کر ہمیں تباہ کررہے ہیں اور ہماری نسلوں کو بے حیائی اور بدچلنی پر برانگیختہ کررہے ہیں۔

اس ٹیکنالوجی سے اور اس پر موجود علمی مواد سے فائدہ اٹھانے کے وقت یہ بات ضرور سامنے رہنی چاہئے کہ اس کے فاسد مواد اور نقصانات سے کس طرح بچا جاسکتا ہے۔

ماں کی عظمت

اور آج کے والدین کی ذمہ داریاں

انجینئر مختار حسین فاروقی

ماں اور ماں کی ممتا کے الفاظ ایسے ہیں کہ جیسے ان میں رَس گھلا ہوا ہے اور آدمی کو متاثر کئے بغیر نہیں رہتے۔ شاید ہی کوئی معقول انسان ہو جو ماں کی عظمت کا اعتراف نہ کرتا ہو۔ بلکہ تمام اقوام عالم کے تمام مشاہیر وزعماء یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ آج وہ خود عظمت کی جن بلندیوں پر ہیں ان کو وہاں تک پہنچانے میں ماں کی تربیت کا حصہ ہے۔ یہ بات صرف دنیا کی عظیم اور رہنما ہستیوں تک محدود نہیں ہے بلکہ ہر سلیم الفطرت اور ذی شعور انسان کا ادراک یہیں تک پہنچتا ہے، یا وہ خود تجربات سے اس نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے۔

الحمدللہ یہ اچھی بات ہے کہ ہم لوگ اپنے والدین اور بالخصوص ماؤں کے بارے میں اچھے جذبات رکھیں اور ان کے احسانات کا تذکرہ کریں ___ مگر یہ سوال اپنی جگہ لمحہ فکریہ فراہم کرے گا کہ اچھی مائیں کہاں سے آتی ہیں؟ کیا اچھی مائیں درآمد کی جاتی ہیں؟ کیا اچھی مائیں آسمان سے اترتی ہیں؟ جس طرح کہا جاتا ہے کہ آج کا بچہ کل کا باپ ہوگا اور اسی طرح آج کی بچی کل کی ماں ہوگی۔

چنانچہ جیسے ایک لڑکے کو اچھی تربیت کے ذریعے کل کا ایک ذمہ دار انسان بنایا جاسکتا ہے ___ ایک اچھا صنعت کار، کارخانہ دار، ایک وزیر، ایک رہنما، ایک وزیر اعظم ، ایک استاد، ایک پروفیسر، ایک ڈاکٹر، ایک منتظم، ایک مصلح، ایک خطیب، ایک مفتی، ایک فقیہ اور ایک سچا مذہبی رہنما ___ اچھی تربیت ہی کا ثمرہ ہوسکتا ہے ___ تو یہ بات ہماری آنکھوں سے کیوں کر اوجھل ہو جاتی ہے کہ ایک اچھی ماں بھی آج کی بچیوں کی اچھی اور مثالی تربیت کا ہی ثمرہ ہوسکتی ہے۔

ستم یہی ہے کہ آج اچھی ماں کی عظمت کے گن گائے جا رہے ہیں اور جنہیں اچھی

مائیں یا اچھی تربیت میسر آ گئی وہ اپنی قسمت پر نازاں نظر آ رہے ہیں، مگر آج کے بچے کو ایک اچھی ماں اور اچھی تربیت فراہم کرنے کا بارِگراں کس کے سر ہے؟ کیا یہ کام خود بخود ہونا ممکن ہے؟ نہیں ہرگز نہیں ___ اس کے لئے بھی بے حد محنت و مشقت اور منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔

آج کے بڑے آدمی، آج کے منصوبہ ساز، آج کے رہنمایانِ قوم اور آج کے معمارانِ وطن کے ذمہ یہ اجتماعی فرض ہے کہ ''ماں کی عظمت'' کی بحالی چاہتے ہیں تو ہر شیر خوار بچے کو ایسی ماں کا نمونہ بہم پہنچائیں جو حوصلہ مند، پاک دامن، عفت مآب، صالحہ، خدا ترس، عبادت گزار، اسلام کی شیدا اور قرونِ اولیٰ کی صالح خواتین کا نمونہ ہو۔ اگر ہم ایسا کرنے میں کامیاب ہو گئے تو ہمارا مستقبل شاندار اور محفوظ ہوگا، برائی کا خاتمہ ہو سکے گا اور خیر پھیل سکے گا۔ اچھی اقدار پھلیں اور پھولیں گی اور برائی اور بری باتوں کا خاتمہ ہو سکے گا۔ اور اگر ایسا نہ ہو سکا تو آج کے بچے کل بڑے ہو کر اچھی ماؤں سے محرومی کے سبب چور، ڈاکو، اچکے، بے ایمان، راشی، بدمعاش، کرپٹ اور میر جعفر اور میر صادق کے روپ میں قوموں کو فروخت کرنے والے، قوموں کو قرضوں میں جکڑنے والے اور قومی معاملات اور بین الاقوامی معاملات میں کروڑوں اور اربوں روپیوں کی کمیشن وصول کرنے والے بن کر سامنے آئیں گے۔

آیئے، ایک لمحہ کے لئے سوچتے ہیں کہ جس ماں کی عظمت کے ہر شخص گن گاتا نظر آتا ہے اس عظیم ماں کے اوصاف کیا ہو سکتے ہیں، اور اگر یہ بات سمجھ میں آ جائے تو دوسرا مرحلہ یہ ہوگا کہ ہم اپنی آئندہ نسل کی خواتین میں یہ اوصاف کیسے پیدا کر سکتے ہیں۔ اس لئے کہ کسی اچھی بات کا ادراک حاصل کر لینا ہی سب کچھ نہیں ہوتا بلکہ اصل کام تو اس کو عملی صورت میں ڈھالنا ہے۔

دنیا کی عظیم ہستیاں عظیم ماؤں ہی کی تربیت کا نتیجہ ہیں، تو آیئے عظیم لوگوں کے اپنی ماؤں کے بارے میں تاثرات سے بات شروع کرتے ہیں۔ جو باتیں متفقہ اور مشترک ہیں وہ درج ذیل ہیں:۔

1۔ ایک اچھی ماں ایک شفیق عورت ہوتی ہے۔

2۔ ایک اچھی ماں ایک حوصلہ مند خاتون ہوتی ہے۔

3۔ ایک اچھی ماں ایک سلیقہ شعار خاتون ہوتی ہے۔

4۔ ایک اچھی ماں ایک اچھی گھریلو منتظمہ ہوتی ہے۔

5۔ ایک اچھی ماں اعلی اقدار پر خود بھی عمل پیرا ہوتی ہے اور اولاد کو ان پر عمل کرنے کے لئے ابھارتی ہے، جیسے سچ بولنا، خدمت خلق کرنا، غریبوں، ضرورت مندوں کی مدد کرنا، ناپ تول میں کمی نہ کرنا، ظلم نہ کرنا، کسی کا حق نہ مارنا، بے حیائی کے کاموں سے احتراز کرنا وغیرہ

6۔ ایک اچھی ماں با کردار خاتون ہوتی ہے۔

7۔ ایک اچھی ماں اپنی عصمت وعفت کی حفاظت کرنے والی خاتون ہوتی ہے۔

8۔ ایک اچھی ماں ایثار وقربانی کا پیکر ہوتی ہے۔

9۔ ایک اچھی ماں مصیبتوں اور مشکل حالات کا مقابلہ کرتی ہے۔ یہی جذبہ اولاد میں پیدا کرتی ہے۔

10۔ ایک اچھی ماں ایک اچھی عورت کے روپ میں شوہر کے گھر میں میسر وسائل سے کام لے کر اولاد کی اعلی ترین تربیت کرتی ہے۔

11۔ ایک اچھی ماں اولاد کی تربیت سے کبھی غافل نہیں رہتی اور اولاد کی تربیت کو چھوڑ کر دوسرے غیر ضروری کاموں پر توجہ نہیں کرتی۔

ہوسکتا ہے کہ اوپر درج گیارہ باتوں میں کچھ تکرار بھی ہو، اور عین ممکن ہے کہ ہر ماں میں مندرجہ بالا تمام خوبیاں نہ پائی جاسکیں، تاہم ایک اچھی ماں کے اوصاف کا بڑا حصہ اوپر درج سطور میں آ گیا ہے۔

اب اگلا مرحلہ یہ ہے کہ آیئے کہ سوچیں کیا ہمارے اس دور میں اکثر گھروں میں ایسی مائیں موجود ہیں؟ بات اکثریت کے حوالے سے ہی ممکن ہے۔ انسانی معاملات میں سو فیصد نتائج تو قریباً ناممکن الحصول ہوتے ہیں۔ آج کے معاشرے میں آپ دائیں بائیں نظر دوڑائیں، حالات کا جائزہ لیں اور قومی اخبارات کے کچھ دنوں کے تراشے جمع کر لیں تو آپ کو نظر آئے گا اور آپ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ اچھی ماں کے معیار پر اترنے والی خواتین تو شاید ہمارے معاشرے

کے 15-20 فیصد گھروں میں بھی موجود نہیں ہیں کیا ان 15-20 فیصد گھروں کے تربیت یافتہ بچے معاشرے کے سیلاب بدتمیزی کے آگے بند باندھ سکیں گے؟ یا آئندہ دنوں میں الیکٹرانک میڈیا (ریڈیو، ٹی وی، وی سی آر، ڈش، کمپیوٹر، انٹرنیٹ) کی یلغار کے باعث یہ قلیل تعداد بھی اسی سیلاب عریانی وفحاشی و بے دینی کی نذر ہو جائے گی اور شاید آج سے 15 سال بعد کا تجزیہ نگار یہ لکھنے پر مجبور ہو جائے کہ ہمارے ہاں اچھی اور مثالی ماؤں کا تناسب شاید کم ہو کر 5 فیصد رہ گیا ہے۔

اعاذنااللہ من ذلك

اگر ہماری خواہش ہے کہ ہماری آئندہ نسل میں ایک اچھے مسلمان اور ایک اچھے شہری کی خوبیاں جمع ہو جائیں تو ہمیں اپنی آئندہ نسل کو اچھی مائیں دینے کا اہتمام کرنا ہوگا اور آئندہ نسل کی اچھی مائیں آج ہمارے گھروں میں بچیوں کی شکل میں زیر کفالت ہیں۔ ان بچیوں کی ایسی تربیت کہ وہ مستقبل کی بہترین اور مثالی ماں بن سکیں اگرچہ ایک مشکل کام تو ہے مگر ناممکن نہیں۔ غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ آج معاشرے میں پرورش پانے والے بچوں کے مستقبل کو مثالی انسانی اور اعلیٰ قدروں پر استوار کرنے کے لئے ہمیں آج کی ماؤں کی کیا تربیت کرنی چاہئے کہ وہ اپنا کردار بھرپور انداز میں ادا کرسکیں اور آج کے جو بچے اعلیٰ عہدوں تک پہنچ کر اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا کام کریں یا دیگر اعلیٰ انتظامی ذمہ داریاں سنبھالیں تو وہ فخریہ کہہ سکیں کہ میرے اس مقام تک پہنچنے میں میری والدہ محترمہ کا بڑا حصہ ہے، یا آج کی بچیاں جن کے ہاتھ میں پوری انسانیت کا مستقبل آنے والا ہے وہ جب ذمہ داری کے منصب پر پہنچیں اور اپنے گھروں میں آباد ہو کر ماؤں کی حیثیت سے اپنا کردار ادا کرنے کے قابل ہوں تو وہ ایک مثالی ماں کا کردار ادا کرسکیں۔ ان کے لئے کون کون سے طریقے اختیار کئے جائیں یا ان کے نصاب میں کس طرح کی تبدیلیاں کی جائیں کہ وہ اپنے ان فرائض کی احسن طریق پر ادائیگی میں فخر محسوس کرسکیں۔

اس مسئلے کا ایک مشکل پہلو یہ بھی ہے کہ آج کے دور میں بھی ماں کی عظمت کے گن گانے کے باوصف عملی طور پر دنیا میں عورت (یا ماں) کی تربیت کے لئے کوئی مثبت انداز اختیار نہیں کیا جا رہا ہے بلکہ عملی طور پر عورت کو ہر پہلو سے نظروں سے گرا کر اور ایک ''اشتہاری مواد'' کی حیثیت دے کر اس کے اعلیٰ مقام سے در بدر کیا جا رہا ہے اور نتیجہ کے طور پر آئندہ نسلوں کو اخلاقی

قدروں سے عاری بنانے اور اچھے کردار کی ادائیگی سے بے نیاز کیا جارہا ہے۔ یہ تو آئندہ آنے والا وقت ہی بتائے گا تاہم یہ بات عیاں ہے کہ ''جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا!'' کے مصداق ہم نے پورا انتظام کردیا ہے کہ آئندہ معاشرہ ''انسانوں کا معاشرہ'' کی بجائے ''حیوانوں کا معاشرہ'' کہلانے کا زیادہ مستحق ہوگا۔

آج بھی اگر معاشرے کے قلیل لوگوں کو ''ماں کی عظمت'' اور ''ماں کی تربیت'' کی قدروقیمت کا احساس ہے تو غنیمت ہے، اس چنگاری سے محنت وریاضت اور عرق ریزی کے ذریعہ شعلہ جوالہ پیدا کیا جاسکتا ہے، قطع نظر اس سے کہ یہ کٹھن کام کیسے ہوگا اور کون کرے گا؟ چلو اس کا تذکرہ تو کرتے ہیں اور اس کو عام کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں، شاید کبھی کوئی ''مردے از غیب'' سامنے آجائے اور یہ ناممکن بھی ممکن ہوجائے۔ یہ بہرحال حقیقت ہے کہ یہ کام ہونا ضروری ہے اور یہ کام ایک حد تک کئے بغیر مستقبل میں عالمی اسلامی معاشرہ تو کجا انسانی معاشرہ کو برقرار رکھنا بھی NEXT TO IMPOSSIBLE ہے۔

پانچ نکاتی لائحہ عمل

آج کی بچیوں کو مستقبل کی مثالی ماں کا کردار ادا کرنا ہے۔ اس کے لئے چند ناگزیر باتوں کا تذکرہ نیچے کیا جارہا ہے، انداز بیان تو بالکل شوخ نہیں ہے، تاہم نفس مضمون میں ایک فطری کشش اور DIVINE BEAUTY ہے جس کی وجہ سے شاید چند سعید روحیں اس کی طرف کھینچ آئیں اور اس کام کو آگے بڑھانے کے لئے کمر ہمت کس لیں۔ وہ چند باتیں جنہیں ''پانچ نکاتی لائحہ عمل'' کا نام دیا جاسکتا ہے، درج ذیل ہیں:

1۔ انسان کو عظمت کا احساس دلانے والی باتوں میں سب سے نمایاں چیز مذہب ہے۔ یہ مذہب ہی ہے جو انسانوں میں اعلیٰ انسانی قدریں، بے لوث خدمت، آخرت کا اجروثواب اور ایک خدائے واحد کا تصور دے کر انسانوں میں یکسانیت اور بھائی چارہ پیدا کرتا ہے۔ اس مذہب کی بنیاد وحی الٰہی (DIVINE REVELATION) پر ہے۔ اسی وحی الٰہی کے مظہر تورات، انجیل وغیرہ ہیں اور اسی کی آخری اور مکمل شکل قرآن مجید ہے۔ جو عظمت انسانی کو اجاگر کرتا ہے، مساوات انسانی کا درس دیتا ہے اور مرد وعورت کی ذمہ داریوں کے فرق کے باوجود شرف انسانی

اور جزائے آخرت میں دونوں کو برابر قرار دیتا ہے۔اس تصور سے عورت ''پنچ ذات'' سے بلند ہو کر مردوں کے برابر ہوگی اور اس کو عظمت کا احساس ہوگا اور وہ اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لئے کمر بستہ ہو جائے گی۔

حیرت ہے کہ آج عورت کو عظمت کا احساس دلانے والی اس چیز ____ مذہب اسلام، قرآن مجید ____ ہی کو دقیانوسی کہہ کر ترک کرنے کا مشورہ دیا جاتا ہے۔حالانکہ عورت کو اندھیروں اور پستیوں سے نکال کر عظمتوں اور بلندیوں پر پہنچانے والا اسلام اور قرآن ہی ہے۔عورتوں کے لئے مذہبی تعلیم صرف قرآن مجید کی ناظرہ تعلیم نہیں ہے، بلکہ اسے سمجھ کر پڑھنے اور عام کرنے کی ضرورت ہے۔ بالخصوص قرآن مجید کا وہ حصہ جو خانہ داری اور خواتین کی ذمہ داریوں کے متعلق ہے۔

2۔ اس مقصد کے لئے دوسری اہم چیز تعلیم ہے۔اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہر انسان کو تعلیم کا حق حاصل ہے اور اس میں عورتیں بھی شریک ہیں۔اسلام اور قرآن مجید اس کا داعی ہے، مگر تعلیم کے نام پر جہالت، بے حیائی، عریانی و فحاشی وغیرہ تعلیم کے حقیقی تصور کے ساتھ مذاق ہے۔ایسی تعلیم از بس ضروری ہے جس میں اعلی انسانی قدروں کی عظمت، ان کا حصول، بہادری، محنت کی عظمت، پاکبازی، اعلی کردار اور مساوات انسانی کا تذکرہ ہو۔ بالخصوص خواتین کے نصاب میں ایک مثالی ماں کے کردار کو اجاگر کیا جائے۔اس کے برعکس آج کی تعلیم کے نتیجے میں عورت کو جو پڑھایا جارہا ہے اس سے وہ نکاح اور گھر گرہستی کو ایک قید تصور کرتی ہے اور نکاح کی زندگی کی بجائے آزاد بلکہ آوارہ زندگی کو ترجیح دیتی ہے۔یہ تعلیم ''ماں کی عظمت'' کے تصور کی مکمل نفی ہے۔عورت کی ذمہ داریوں میں گھر کی زندگی، اولاد کی تربیت اور بطور ماں کے بچوں میں اعلی انسانی قدروں کی اہمیت ونشوونما ہی اصل ذمہ داری ہے۔چنانچہ اس تصور کے منافی تعلیم کے تمام نصاب بیک جنبش قلم ختم کر دینے چاہئیں۔

3۔ ایک مثالی ماں کے کردار کے پروان چڑھانے کے لئے تیسری اہم چیز عفّت وعصمت کی حفاظت ہے، اور اس کے لئے جیسے علامہ اقبال نے فرمایا ہے کہ

ع ''نسوانیت زن کا نگہباں ہے فقط مرد''

معاشرہ میں معاشی بوجھ کل کا کل مرد پر ڈالا گیا ہے اور عورت کی اصل ذمہ داری گھر کی ملکہ کی حیثیت سے گھریلو معاملات کو انجام دینا اور اولاد کی تربیت و نگہداشت ہی بنتی ہے۔ عفت عصمت کی حفاظت کا منطقی نتیجہ نکاح کا راستہ اور شادی شدہ زندگی ہے، جس سے عورت کی عفت کی حفاظت بھی مرد کے ذمہ آتی ہے۔

اس مقصد کے حصول کے لئے عورتوں کے مقابلہ حسن پر بھی پابندی ناگزیر ہے اور بے جا فیشن اور مقابلوں پر بھی قدغن ضروری ہے۔ معاشرے میں سادگی کو رواج دینا ضروری ہوگا۔ البتہ عورتوں کی صحت کے لئے ورزشیں، کھیلیں اور دوسری ضروری ہم نصابی سرگرمیاں جو ''ماں کی عظمت'' کے اعلی کردار کے حصول کے لئے کسی حد تک ناگزیر ہیں، حدود و قیود کے ساتھ ان کا جاری رہنا فائدہ مند ہے۔

4۔ الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے سادہ زندگی بالخصوص نکاح شادی میں سادگی کی ترغیب دی جائے اور ستر وحجاب کی پابندی کرائی جائے۔ فحش لٹریچر اور مواد پر پابندی کرانے اور بالخصوص روزنامہ اخبارات میں فلمسٹار عورتوں کی بطور IDEAL تصویروں کی اشاعت کی مکمل بندش کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد____ ایک ایسا معاشرہ وجود میں آئے گا جہاں گھر کی چاردیواری ایک محفوظ قلعہ ہوگا اور گھر کا ماحول پرسکون رہے گا اور ''ماں کی عظمت'' کے شاہکار سامنے آئیں گے اور طلاق کی شرح ناقابل یقین حد تک کم ہو جائے گی، جس کے نتیجے میں بچوں کی تربیت پر بے حد اچھے اثرات مرتب ہوں گے۔

اس ضمن میں اخبارات اور رسائل کا بہت بڑا حصہ ہے۔ اخبارات اور رسائل کو اچھے معاشرے کی تشکیل میں اچھی، باکردار، باحیا اور بااخلاق ماؤں کے کردار کو اجاگر کرنا چاہئے۔

5۔ مذہب سے وابستگی، تعلیم کی فراوانی، گندے ماحول اور لٹریچر سے گلوخلاصی کے بعد بھی اپنے بچوں اور بالخصوص بچیوں کی صحیح تربیت کے لئے آج کے والدین کا کردار پھر بھی بہت اہمیت کا حامل ہے ہمارے ہاں کے عام گھریلو ماحول میں وہ مواقع ہی نہیں جہاں سے اچھی مائیں پروان چڑھ سکیں۔ اخلاقی زوال، بے حیائی عریانی، ٹی وی پروگرام اور فیشن پرستی کے ماحول نے اعلیٰ اخلاقی قدروں کو گھروں سے نکال دیا ہے ان حالات میں والدین کی ذمہ داریوں میں اضافہ ہوگیا

ہے کہ وہ ایثار کریں اور خود اپنے اوپر جبر کر کے صرف اولاد کی خاطر اور آئندہ نسلوں کے بہتر کردار کی خاطر پہلے خود آج کی برائیوں سے توبہ کریں اور اپنے گھریلو ماحول کو اخلاقی لحاظ سے ایک تربیت گاہ کا روپ دے دیں۔ آج والدین بالخصوص مائیں اپنے ماضی سے توبہ کریں، نیکی اور پارسائی کی زندگی بسر کریں (والد بھی لازماً ایسا ہی کریں، مگر اس مضمون میں صرف ماؤں کے کردار کا تذکرہ ہے) تو ان کی سابقہ زندگی کے اثرات سے نئی نسل محفوظ رہ سکتی ہے۔ حدیث پاک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ”گناہ سے توبہ کرنے والا انسان (عورت یا مرد) ایسا ہے کہ گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں“۔

لہٰذا ــــــ کہا جا سکتا ہے کہ اگر آج ہم نے اپنی اولاد کو مثالی اخلاقی ماحول دے دیا تو کل وہ اچھے باپ اور اچھی مائیں بن کر ہماری ہی آئندہ نسلوں کو نہیں اولادِ آدم کو سکون پہنچانے کا سبب بن جائے گی۔

(بشکریہ ”میثاق“ لاہور)

تبصرہ کتب

نام کتاب: المکاتیب الکریم — مرتب: مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب

ضخامت: 311 صفحات — ناشر: القاسم اکیڈمی خالق آباد نوشہرہ

یہ کتاب مولانا عبدالقیوم حقانی کی زیر سرپرستی چھپنے والے رسالے ''ماہ نامہ القاسم'' کی گیارہویں خصوصی اشاعت ہے جس میں شیخ التفسیر حضرت مولانا قاضی عبدالکریم کلاچوی صاحب (فاضل دارالعلوم دیوبند) کی جانب سے مولانا حقانی صاحب کی طرف لکھے گئے مکاتیب (خطوط) اور مضامین جمع کر دیئے گئے ہیں۔ حقانی صاحب کی یہ کاوش قابل ستائش ہے کہ انہوں نے ان مکاتیب کو شائع کرا کر عوام کو حضرت کی شناسائی بہم پہنچانے کے ساتھ ان کے چند جواہر پاروں سے استفادہ کا موقع فراہم کیا ہے۔ یہ مکاتیب بہت سی شرعی، اصلاحی، تاریخی اور ادبی معلومات کا ذخیرہ ہیں، دعا ہے کہ اللہ اس اشاعت کو تمام انسانوں کے لئے مفید بنادے۔

نام کتاب: المصنفات فی الحدیث — مرتب: مولانا محمد زمان کلاچوی صاحب

ضخامت: 495 صفحات — ناشر: القاسم اکیڈمی خالق آباد نوشہرہ

مولانا محمد زمان کلاچوی صاحب حالیہ مدرس مدرسہ عربیہ نجم المدارس کلاچی نے 1964-65 میں شیخ الحدیث مولانا یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تخصص فی الحدیث کے دوران عربی میں ایک مقالہ تحریر کیا تھا جس میں گذشتہ دس صدیوں میں لکھی جانی والی بعض (258) کتب احادیث اور ان کے مصنفین کا قدرے تعارف پیش کیا تھا۔

زیر تبصرہ کتاب مولانا موصوف کے اسی عربی مقالہ کا اردو میں ترجمہ ہے۔ جو انہوں

نے افادۂ عام کے لئے شائع کروا دیا ہے، یہ کتاب کتب احادیث کے تعارف کے علاوہ علوم حدیث کے متعلق بہت سی معلومات کا بھی ذخیرہ ہے۔ جو خاص طور پر علم حدیث کا مشغلہ رکھنے والے حضرات کے لئے ایک قیمتی تحفہ ہے۔ علوم اسلامیہ کے مدارس اور سکول اور کالجوں کی لائبریریوں میں یہ کتاب موجود ہونی چاہیے۔

یہ دونوں کتابیں معنوی خوبیوں کے ساتھ ساتھ ظاہری طور پر بھی خوش نما ٹائیٹل، خوبصورت کمپیوزنگ اور مضبوط جلد بندی کے ساتھ القاسم اکیڈمی کی مطبوعات میں خوبصورت اضافہ ہے۔

مسجد اقصیٰ (قبۃ الصخرہ) کیا ہے؟

(ذیل میں مسجد اقصیٰ سے متعلق حتی المقدور صحیح معلومات یکجا پیش خدمت ہیں)

انجینئر مختار فاروقی

قرآن مجید میں مکی سورت بنی اسرائیل (11 نبوی) میں ''المسجد الحرام'' کے ساتھ ''المسجد الاقصیٰ'' کا ذکر ہے۔اس وقت المسجد الاقصیٰ ایک مسمار شدہ ہیکل سلیمانی کا نام تھا اور شاید اس وقت دنیا میں کوئی اور کہیں بھی سجدہ گاہ تھی نہیں اس تذکرہ سے اس کے کبھی بنی اسرائیل کے الگ ''قبلہ'' ہونے کا اشارہ ملتا ہے۔

ہجرت کے بعد تحویل قبلہ کی آیات میں اللہ نے المسجد الاقصیٰ کی بجائے ''المسجد الحرام'' کو تا قیامت مسلمانوں کا قبلہ قرار دیا بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المسجد الحرام کی فضیلت بیان فرمائی تو ساتھ مسجد مدینہ اور پھر ''مسجد اقصیٰ'' کا بھی ذکر فرمایا! اس وقت تک یہ جگہ عیسائیوں کے قبضہ میں تھی اور سابقہ حالت میں تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں مسلمانوں نے بیت المقدس فتح کیا تو ایک ''مسجد'' تعمیر کرائی گئی۔جبکہ ہیکل سلیمانی کے آثار پر قبۃ الصخرہ تعمیر کرایا گیا جو مسجد نہیں ہے۔لوگ غلط فہمی سے اسے ہی مسجد اقصیٰ سمجھتے ہیں۔

1۔ دنیا میں یقیناً اللہ کے لئے بنایا جانے والا گھر بیت اللہ یعنی مسجد حرام ہی ہے جو مکہ میں واقع ہے۔حضرت آدم علیہ السلام نے اس کی نشاندہی کی ابتدائی تعمیر کی۔ بعد ازاں یہ مرور زمانہ اور آس پاس نہ ہونے کی وجہ سے بے آباد ہی رہا۔

2۔ قرآن مجید کے مطابق ہر قوم اور علاقے میں نبی اور رسول علیہم السلام تشریف لائے جو انبیاء کرام علیہم السلام سرزمین عرب اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں تشریف لائے ان کے لئے تو شاید ممکن ہو کہ وہ اس گھر کی عظمت کے پیش نظر یہاں حاضری دے سکیں مگر دور دراز کے انبیاء علیہم السلام کے لئے یہاں کی حاضری ممکن ہی نہیں تھی۔

3۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قبل کے انبیاء کرام علیہم السلام کی شریعتوں میں ارکان دین (ارکان اسلام) ہماری طرح نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ شاید نہیں تھے۔ ان کی تعداد بھی اور ان کی ہیئت بھی شریعت محمدی علی صاحبھا الصلوٰۃ والسلام سے یقیناً مختلف تھی۔

4۔ سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنے اپنے علاقوں اور قوموں کی طرف مبعوث ہوتے تھے اور ایک نبی علیہ السلام کے بعد دوسرے نبی علیہ السلام تشریف لاتے تھے اور یہ سلسلہ حضرت محمد ﷺ تک اسی طرح جاری رہا۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے اپنی قوم اور علاقے کو چھوڑنا بھی عام طور پر ممکن نہیں تھا۔ اپنا علاقہ چھوڑ کر دور دراز علاقے میں سفر کرنا آج کے حالات پر قیاس نہیں کیا جا سکتا یہ ایک طرح کا سیاحت کا عمل، سیّاح قسم کے لوگ ہی کر سکتے تھے۔ یقیناً پیغمبر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی براہ راست نگرانی میں ہوتے ہیں اور احکام الٰہی وصول کرتے ہیں اور اس کی براہ راست رہنمائی میں ہی کام کرتے ہیں۔ لہٰذا اگر سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام نے سفر بیت اللہ نہیں فرمایا تو بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق تھا اور بالفرض کیا ہے تو بھی منشا خداوندی کے مطابق ہی تھا۔

5۔ عرب کے آس پاس علاقوں میں جو پیغمبر تشریف لائے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قبل زمانہ پایا ان میں حضرت نوح، حضرت ہود اور حضرت صالح علیہم السلام کا تذکرہ قرآن مجید میں وارد ہے۔ ان میں سے حضرت ھود علیہ السلام قومِ عاد کی طرف مبعوث ہوئے تھے، اس نے خوب ترقی کی اور کئی صدیوں کا زمانہ پایا اور علاقہ بھی جزیرہ نمائے عرب کا جنوبی حصہ ہے عمارتیں بنانا ان کا مشغلہ بھی تھا تاہم ان کے دور میں بیت اللہ کی تعمیر جدید اور اس کی شاندار عمارت کا تذکرہ بھی نہیں ملتا اور نہ ہی بیت اللہ کے مقام پر اس طرز تعمیر کے کوئی آثار ہیں اور نہ ہی آس پاس کوئی مذہبی مقام کے شایان کوئی تعمیرات کے آثار ہیں (تقابل کے لئے صحرائے سیناء میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقام وحی طور سیناء کے مقام پر مختلف مذہبی تعمیرات کی گئیں وہ قدیمی تعمیرات آج بھی موجود ہیں)۔

6۔ سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کے دور میں ذرائع نقل وحرکت کے نہ ہونے اور دیگر موانع کے باوجود اس گھر کی عظمت کا احساس اور علم ان کو دیا گیا تھا۔ چنانچہ ہندوستان کے بارے میں ہندومت کے مطالعے پر جناب شمس نوید عثمانی صاحب نے جو کتاب لکھی ہے اس کے مطابق

ہندومت میں بھی سومنات سے بھی بڑا ''مندر'' یعنی عبادت گاہ عرب (مکہ) میں ہے جہاں کی یاترا ممکن نہیں ہے۔

7۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود بہ نفیس کئی لمبے اسفار کئے ان میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش پر اللہ تعالیٰ کے خصوصی حکم پر مکہ کا سفر فرمایا اور اپنی اہلیہ محترمہ حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا نوزائیدہ بچے حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کو وہاں چھوڑ آئے۔ اس سے پہلے ان کے (شاید) ماننے کے باوجود مصر تک کے اسفار کے ہوتے ہوئے بھی مکے کا سفر ریکارڈ پر نہیں۔ کہا جاسکتا ہے کہ وہ عراق سے مصر تشریف لے گئے تو یقیناً مکہ بھی گئے ہوں گے مگر یہ ایک مفروضہ ہی قرار پائے گا اس کے لئے دلیل نہیں ہے۔

8۔ حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کی پیدائش کے ساتھ ہی حضرت لوط علیہ السلام کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فلسطین کے قریب موجودہ بحیرہ مردار کے کنارے آباد بستیوں کی طرف بھیجا تھا اور حضرت اسحاق (علیہ السلام) کی پیدائش سے قبل ہی ان بستیوں پر اللہ کا عذاب آ گیا۔ ان چند سالوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ کسی سفر مکہ کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔

9۔ بعدازاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر فرمائی اور ایک کمرہ بنایا ''بیت اللہ'' کی تعمیر کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہاں چاہ زمزم کے پانی سے زائرین بیت اللہ کے لئے طہارت غسل اور دیگر ضروریات زندگی کے لئے پانی میسر آیا اور سجدہ گاہ کی شکل بنی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ لوگوں کو اس گھر کی طرف بلاؤ اور لوگ اس کی طرف ''کچے دھاگے سے بندھے آئیں گے'' کے مصداق چہار طرف سے آئیں گے غور طلب بات ہے کہ کیا حضرت ابراھیم علیہ السلام کی نبوت و دعوت آفاقی تھی؟ کیا ان کی تعلیمات تمام نوع انسانی کے لئے تھیں؟ اگر جواب نفی میں ہے تو یقیناً حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پکار (اللہ تعالیٰ کی مشیت اور علم میں ہونے کے باوجود) اس وقت پوری دنیا کے لئے نہیں تھی اس کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام تو وہاں آباد بھی نہیں ہوئے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا تو ان کی دعوت بھی یقیناً آفاقی اور عالمی نہیں تھی بلکہ صرف بنی اسماعیل کے لئے تھی حتیٰ کہ بنی اسحٰق بھی اس میں شامل نہیں تھے۔

10۔ حضرت اسحاق علیہ السلام اور ان کی اولاد میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیمات

اور روایات کی وجہ سے شاید بیت اللہ اور مسجد حرام کا تذکرہ ضرور ہوگا۔ تاہم اس کی طرف حج کی نیت سے آنا اور نماز میں ادھر کا رخ کرنا شاید نا قابل عمل تھا۔ اسی لئے حضرت یعقوب علیہ السلام کے ہاتھوں (بروایت حضرت داؤد علیہ السلام) فلسطین میں ایک سجدہ گاہ یعنی مسجد کی بنیاد رکھی گئی۔ جسے قرآن مجید نے ''دور والی مسجد'' مسجد اقصیٰ فرمایا ہے۔

11۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد جلد ہی مصر منتقل ہوگئی تو وہاں بھی ان کے لئے ''مسجد اقصیٰ'' کی حاضری اور عبادت ممکن نہ رہی۔ اور کبھی کبھی (حج کی طرح کا) جانا بھی مذکور نہیں ہے۔ یہاں تک کہ کئی صدیوں بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نکالا اور ارض فلسطین کی ہجرت کی جہاد کی دعوت دی جہاد سے عملاً گریز کی سزا 40 سال کی صحرا نوردی قرار پائی کئی نشیب و فراز سے گزر کر 300 سالوں میں حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک حکومت بنائی اور اللہ کے دین کے مطابق انفرادی اور اجتماعی معاملات کو چلایا اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے مسجد اقصیٰ کی دوبارہ تعمیر کا آغاز کیا جسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے شاندار انداز میں مکمل کرایا۔

12۔ قرآن میں سورۃ حج میں جہاں مختلف انبیاء کرام علیہم السلام کی امتوں کی بگڑی ہوئی شکلوں میں باقیات اور ان کی عبادت گاہوں کا ذکر ہوا ہے وہاں صوامع (عیسائیوں کی عبادت گاہیں، گرجا گھر) اور بیع (یہودوں کا عبادت خانہ) صلوٰۃ اور مساجد (سجدہ گاہیں) مذکور ہیں گویا سب امتوں میں عبادت کا تصور مختلف تھا۔ اور کچھ کے ہاں عبادت میں سجدہ کو خاص اہمیت تھی وہ مساجد کہلاتی ہیں۔ المسجد الحرام اور المسجد الاقصیٰ۔

13۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی تعمیر کردہ عمارت ہماری مسجدوں کی طرح بیت اللہ کی طرف رُخ کر کے محراب کے ساتھ نہیں تھی بلکہ بیت اللہ (الکعبہ) کی طرح بذات خود ایک مرکز اور عبادت گاہ تھی اسی عبادت گاہ (المسجد الاقصیٰ) کو اللہ تعالیٰ نے کسی مرحلہ پر بنی اسرائیل کا قبلہ قرار دے دیا تھا۔ یہ عبادت گاہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے حوالے سے ہیکل سلیمانی (TEMPLE OF SULOMAN) کہلاتی ہے۔

14۔ اس ہیکل سلیمانی کے مغربی حصہ میں بنی اسرائیل نے اپنی مذہبی عمارات اور دیگر

ضروری تعمیرات کرائیں لہٰذا ہیکل سلیمانی کا مغربی حصہ یہود کے نزدیک معتبر اور متبرک مقام ہے یہ ہیکل سلیمانی پہلے بخت نصر (نمرود بادشاہ) نے عراق سے آ کر مسمار کر دیا اور بیت المقدس کی آبادی کو تہہ تیغ کیا اور قیدی بنا کر لے گیا۔ وہاں سے تقریباً 150 سال بعد ایرانی بادشاہ ذوالقرنین کے ذریعے رہائی ملی اور اسی بادشاہ کے تعاون سے بنی اسرائیل واپس بیت المقدس آئے اور اس کو آباد کیا۔

اسی 150 سال کی غلامی کے دوران حضرت عزیز علیہ السلام کا گزر بیت المقدس کے ویران شہر کے پاس سے ہوا تو ان کے دل سے ایک دردمند آواز اٹھی کہ یہ مقدس شہر دوبارہ کبھی آباد ہو سکے گا تو سورۃ بقرہ رکوع 34 میں مذکورہ واقعہ پیش آیا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیز علیہ السلام کو سو سال تک سلا کر دوبارہ زندہ فرما کر یہ باور کرا دیا کہ اللہ تعالیٰ جو ہر چیز پر قادر ہے ضرور اس شہر مقدس کو دوبارہ آباد کرا دے گا اور واقعتاً اگلے پچاس سالوں میں غالباً حضرت عزیز علیہ السلام کی زندگی ہی میں دوبارہ آباد ہو گیا۔

15۔ حضرت عزیز علیہ السلام کی دعوت اور پکار پر بنی اسرائیل میں دوبارہ دینی جذبہ پیدا ہوا اور اصلاح احوال اور دین پر عمل کا جذبہ نمایاں ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے دوبارہ ایک عظیم الشان سلطنت بنی اسرائیل کے ہاتھوں قائم کرا دی۔ یہ تھی مکابی سلطنت 250-100 ق م۔ اب بنی اسرائیل نے ہیکل سلیمانی کی دوبارہ شاہانہ انداز میں تعمیر کرائی اور آباد کیا۔

16۔ قوموں کی زندگی عروج و زوال ایک اٹل حقیقت ہے۔ بنی اسرائیل کے لئے دور غلامی سے نجات کے بعد حکومت اور سلطنت کا زمانہ آیا تو عمل میں انحطاط اور دین سے دوری کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ اور ہوتے ہوتے بنی اسرائیل دوبارہ مغلوب کر دیئے گئے اور شام سے آنے والے حملہ آوروں اور رومی سلطنت کے غلام بن گئے اور آزادی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

17۔ اسی غلامی کے دور میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تو اس وقت بنی اسرائیل دو حصوں میں بٹ چکے تھے ایک روایت پرست بنی اسرائیل اور دوسرے صرف نام کے بنی اسرائیل (یعنی ترقی پسند یا لبرل (SPRINTERS GRLUP) یا آج کل کی جدید اصطلاح میں روشن خیالی گروپ یہی بعد میں ZOINS کہلائے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد پر بنی اسرائیل نے پہچاننے کے باوجود حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے سے مجموعی طور پر انکار کر دیا اور بہت کم لوگ ایمان لائے۔

نہ صرف یہ کہ بنی اسرائیل ایمان نہیں لائے بلکہ ایک رسول برحق علیہ السلام کی تکذیب کی بلکہ رومی حکمرانوں کو شکایت کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سزائے موت سنائی اور سزا پر عمل درآمد کے لئے رومیوں کے حوالے کر دیا۔

18۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زندہ اٹھا لیا اور بچا لیا مگر یہود اور عیسائی یہی سمجھتے ہیں کہ ان کو پھانسی دے دی گئی۔ بہر حال تکذیب رسول علیہ السلام کی سزا کے طور پر بنی اسرائیل یہود پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آ گیا اور رومی فاتح ٹائٹس نے حملہ کیا اور ہیکل سلیمانی کو گرا دیا اور آس پاس کی تمام مذہبی عبادات کو بھی مسمار کر دیا اور یہود کو بطور سزا جلاوطن کر دیا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے ماننے والے بہت قلیل تھے مگر انہوں نے اس دور میں بہت تکالیف اٹھائیں رومی بھی خلاف تھے وہ انہیں بنی اسرائیل کا حصہ سمجھتے تھے اور یہود (بنی اسرائیل کا بڑا حصہ) بھی دشمن تھے۔ لہٰذا دو تین صدیاں بڑا کڑا وقت تھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں پر۔

19۔ 350ء کے قریب رومی بادشاہ قسطنطین خود عیسائی ہو گیا اور اس کے تمام عمائدین سلطنت بھی اور اکثر رعایا بھی لہٰذا یہ پوری بادشاہت اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں کی بادشاہت کہلائی۔ اب عیسائیوں کو بیت المقدس تک رسائی ہوئی اور یوں بنی اسرائیل کا یہ قبلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں کا حق تھا اور انہیں مل گیا اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام کی تاریخ میں وراثت علم ہی ہے جو آگے چلتی رہی نہ کہ صلبی اولاد کا رشتہ۔ بنی اسرائیل کا بڑا حصہ یہود ویسے بھی یروشلم سے نکال دیئے گئے تھے۔ اور دور انتشار میں 2000 سال تک سرگرداں رہے۔

20۔ ضمناً یہاں اس بات کا اشارہ بھی ضروری ہے کہ بنی اسرائیل کے آزاد خیال گروہ میں 600 ق م سے ہی ایک نظریاتی روگ پیدا ہو گیا اور وہ یہ روگ غالباً دور غلامی سے لائے تھے کہ وہ اس قدر دلیرانہ اللہ تعالیٰ سے باغی ہو گئے تھے کہ انبیاء کرام علیہم السلام پر بھی ہاتھ اٹھانے سے دریغ نہیں کرتے تھے حالانکہ یہ انہیں کے خاندان بنی اسرائیل ہی کے فرد ہوتے تھے بلکہ اس پر بھی آگے بڑھ کر وہ انبیاء کرام علیہ السلام کو دعوت حق اور نیکی کی تبلیغ پر روکتے تھے اور امانت دیانت

عدل وانصاف، مساوات ،حریت اورحقوق العباد کی ادائیگی کے معاملے میں اصرار پر انبیاء کرام علیہم السلام کوقتل کر دیتے تھے۔شروع شروع میں شاید اس دیدہ دلیری پر ان کاضمیر ان کوٹوکتا تھا مگر یکے بعد دیگرے کئی انبیاء کرام کے قتل پر ان کےضمیر مردہ ہو گئے اوراب وہ بلا جھجک نبیوں کوقتل کر دیتے تھے اور سمجھتے تھے کہ کوئی خرابی نہیں ہوگی حالانکہ اس کی پاداش میں ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب آئے تھے۔

اسی مرض کا ظہور تھا جب انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کوسولی چڑھانے کا منصوبہ بنایا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول علیہ السلام کو بچا کر انہیں ناکام کر دیا اور اسی طرح کا منصوبہ حضرت محمدﷺ کے وقت میں انہوں نے آپؐ کے قتل کا بنایا تھا مگر رسولوں کے بارے اللہ تعالیٰ کی جوسنت ثابتہ ہے اس سے بے خبری کی وجہ سے وہ اپنے منصوبے میں بھی ناکام رہے اور سزا بھی پائی

21۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کے بعد بھی رومی بادشاہوں نے تقریباً 300 سال میں کوئی خاص تعمیرات ہیکل سلیمانی کی جگہ پر نہیں کیں۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں کے نزدیک ہیکل سلیمانی کا مشرقی حصہ زیادہ متبرک سمجھا جاتا تھا اوراب بھی ہے اس لئے کہ حضرت مریم السلام علیہا کا مکان مشرقی جانب تھا اوراس کے متعلقہ دیگر اہم مقامات بھی اسی حصہ میں ہیں لہٰذا یہیں انہوں نے ایک بہت بڑا گرجا گھر (CHURCH) تعمیر کرایا۔

22۔ اسی بات کا نتیجہ ہے کہ ہیکل سلیمانی پر اعتقاد میں مشترک ہونے کے باوجود یہوداور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں کا طرزعمل مختلف رہا۔یروشلم شہر کے اندر رہتے ہوئے بھی ان کی عبادگاہیں مختلف تھیں اور یہ ایسا فطری اصول اللہ تعالیٰ نے انسانی دل ودماغ میں بٹھایا ہے کہ واقعی انمٹ اور غیر مبدّل ہے کہ ’’کوئی گروہ کسی دوسرے گروہ کے قبلہ کی پیروی نہیں کرتا‘‘ یہوداور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں کی مغایرت کا اندازہ کریں کہ یروشلم شہر کے اندر بھی الگ قبلے اور اس شہر کے باہر بھی الگ انداز کی اشتراک ذہنی کا سایہ بھی نہ پڑے اور شائبہ بھی نہ گزرے۔

23۔ ہیکل سلیمانی یا بیت المقدس یا مسجد اقصیٰ سے دور آج سے پندرہ سولہ صدیاں پیشتر قبلہ رُخ متعین کرنے کے طریقے دریافت نہیں ہوئے تھے اس لئے بھی اور مذہبی مغائرت اور

منافرت بھی دلوں میں موجودتھی لہٰذا عملاً یہود ہیکل سلیمانی کے مغربی حصے کومقدس سمجھتے ہوئے اس پر اتنا مصر ہوئے کہ یروشلم سے باہر اپنی عبادت گاہیں اور سینیگاگ جغرافیائی لحاظ سے مغرب کی طرف رُخ کر کے بناتے ہیں۔افریقہ ہو یا مشرق وسطیٰ، یورپ ہو یا امریکہ، روس ہو یا جنوبی ایشاء ان کی عبادت گاہیں مغرب کے رُخ پر ہونگی یعنی ان کا قبلہ''مغرب'' ہےاوروہ آج تک اس پرمصر ہیں

جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے یروشلم سے باہر عبادت گاہیں گھرجا گھر(CHAUCH) مشرق کی طرف رُخ کر کے بناتے ہیں پوری دنیا میں آج بھی اسی طرح بنتے ہیں کہ ان کا قبلہ''مشرق'' ہے حالانکہ اس ذہنی مغائرت کے تحت عملاً یروشلم سے مشرق کی طرف کے عیسائی پاکستان، بھارت، مشرق اور جاپان کی طرف منہ کر کے عبادت کر رہے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم اپنے قبلہ کی طرف منہ کر کے عبادت کر رہے ہیں۔

اغلباً اسی بات کی طرف اشارہ ہے قرآن مجید کے اس بیان میں کہ'' نیکی مشرق یا مغرب کی طرف منہ کر کے عبادت کا نام نہیں ہے''۔177:2

بلکہ قبلہ سے''بے رُخی'' یعنی رُخ بدلنے میں یہود ونصاریٰ متّحد ہیں بلکہ ایک دوسری بات بھی ان میں مشترک ہے کہ یہودی بھی اپنی مذہبی کتاب کی حفاظت نہ کر سکے اور گم کر بیٹھے جبکہ عیسائی بھی انجیل کوجلد ہی گم کر کے حقیقی کلام خداوندی سے محروم ہو گئے۔

24۔ رومی سلطنت کو ابھی زیادہ لمبا عرصہ نہیں گزرا تھا کہ نبی آخرالزماں حضرت محمدﷺ تشریف لائے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھی تحفظ دیا اور آخری وحی کے طور پر آپ کی کتاب کو بھی تحفظ دیا آپ کی پیدائش 570ء کی ہے اور 610ء کے لگ بھگ آپ پر وحی کا آغاز ہوا اور 619ء میں آپ کی زندگی میں معراج کا واقع پیش آیا۔

آپ مکہ میں بیت اللہ میں تھے کہ جبرائیل امین علیہ السلام ایک''براق'' کے ساتھ حاضر ہوئے اور آپ کو لیکر بیت المقدس آ گئے یہاں آپ نے دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ نماز ادا فرمائی۔ یہ بات گویا علامت تھی کہ سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام جو اپنے اپنے خاص علاقوں اور قوموں اور نسلوں کی طرف آئے تھے اور ان کی عبادت گاہیں بھی قدرے مختلف تھیں اب نبی آخرالزماں حضرت محمدﷺ کی تشریف آوری کے بعد مسجد اقصیٰ سمیت اب ان کے زیر

ہدایت ہو گا اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی باقیات بھی اب آپ ﷺ کے زیر دعوت ہیں لہٰذا انہیں آپ ؐ پر ایمان لانا چاہئے اور قبول کر لینا چاہئے۔ اغلباً اسی موقع سے ہی مسلمانوں کا قبلہ بھی عارضی طور پر حضرت سلیمان علیہ السلام کے بنائے ہوئے قبلہ کو قرار دے دیا گیا اور بنی اسرائیل سے ہدایت خداوندی کے تسلسل کو جوڑ کر انبیائے بنی اسرائیل اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ایک ہی سنہری زنجیر کا تسلسل بنا دیا گیا۔

حضرت محمد ﷺ نے 623ء میں ہجرت فرمائی اور 623ء یا 624ء میں ہی تحویل قبلہ ہو گیا اور اب قیامت تک کا قبلہ مکہ میں موجود مسجد حرام کو قرار دے دیا گیا۔ یہ قبلہ بھی بنی اسرائیل کے جد امجد حضرات ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام نے تعمیر کیا تھا۔

25۔ بنی اسرائیل نے جب اللہ کی نافرمانی شروع کی اور آزاد خیالی کی روش اپنائی اور انبیاء کرام علیہم السلام کے قتل کو وطیرہ بنا لیا تو اسی دور میں ان کے دل میں بنی اسماعیل اور ان کے قبلے (مکہ میں بیت اللہ) کے لئے بغض پیدا ہو گیا۔

اس بغض کے نتیجے میں انہوں نے اپنی کتابوں میں جو نشانیاں مکہ والے بیت اللہ کی موجود تھیں ان کو مسخ کیا ''بیت اللہ'' کا علاقہ قرآن مجید میں ''بکہ'' ہے اس کو بگاڑ کر بکاء کیا اور یروشلم کے پاس ایک وادی کا نام وادی بکاء رکھ دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کے طور پر حضرت اسماعیل علیہ السلام کا انکار کر دیا۔ یا غلط فہمی کے طور پر مانا تو حضرت اسحٰق علیہ السلام سے چھوٹا قرار دیا اور نتیجۃً قربانی کا واقعہ یروشلم میں مسجد اقصیٰ کے قرب و جوار میں ہونا، خود گھڑ لیا ور قربانی بھی حضرت اسحٰق علیہ السلام کی ہوئی یہ فضیلت بھی ان کے حصے میں ڈال دی (ہمارے ہاں بھی انہیں کی تصنیفات سے کچھ باتیں کسی کسی تصنیف میں اسی طرح کی آ گئیں ہیں جو اجماع امت کے خلاف ہیں) گویا اصل قبلہ اور فضیلت ہیکل سلیمانی اور مسجد اقصیٰ کو ہے۔

26۔ حضرت محمد ﷺ کا وصال جون 632ء کا ہے اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ اول ہوئے اس کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ثانی ہوئے۔ ان کے دور میں 638ء میں بیت المقدس (یروشلم کا علاقہ) فتح ہوا حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ سپہ سالار تھے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ عیسائی راہبوں اور مذہبی پیشواؤں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی

نشانیاں اپنی کتابوں میں دیکھ کر قلعہ مسلمانوں کے حوالہ کر دیا۔ یہ نشانیاں کیا تھیں اور عیسائیوں کی کن کتابوں میں درج ہیں عیسائی دنیا اگر اس حقیقت پر سے پردہ اٹھا دے تو ان کی بہت بڑی تاریخی اور علمی خدمت ہوگی۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے تو عام روش سے ہٹ کر اس موقع پر کوئی قتل و غارت نہیں ہوئی اور پر امن طور پر بیت المقدس مسلمانوں نے فتح کر لیا۔ عیسائیوں کو رہنے کی اجازت دی گئی اور یہود جو گذشتہ چھ صدیوں سے در بدر تھے اور یروشلم میں داخل بھی نہیں ہو سکتے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا احسان ہے کہ انہوں نے غائبانہ طور پر (ان کی طرف سے کسی مطالبہ کے بغیر) ان کو بھی بیت المقدس میں عارضی طور پر زیارت کے لئے آنے جانے کی اجازت مرحمت فرمائی اور تحریر میں درج کرایا اور یہ سہولت انہیں 1917ء تک اسی تحریر کی بنیاد پر حاصل رہی۔

27۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہیکل سلیمانی کے دورے کے دوران حصول برکت کے لئے دو نفل ادا کرنا چاہے تو اگرچہ عیسائی مذہبی سربراہ نے آپ کو اپنے گرجا میں جو گرے ہوئے (70ء سے تباہ شدہ) ہیکل سلیمانی کے جلو میں تھا اجازت دی بلکہ درخواست کی مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس خدشہ سے کہ کہیں مسلمان بعد میں اس گرجا کو مسجد نہ بنالیں وہاں نماز ادا نہ فرمائی بلکہ ذرا دور نفل ادا فرمائے یہاں اس بات کی یاد میں مسجد قائم ہے جو مسجد عمر رضی اللہ عنہ یا آج کل ''مسجد اقصیٰ'' کہلاتی ہے۔

28۔ ہیکل سلیمانی جو رومی فاتح جنرل ٹائیٹس (TITUS) نے 70ء میں (آج سے 1930 سال قبل) تباہ کر دیا تھا اور آج بھی اسی طرح پڑا ہے۔ گزشتہ چودہ صدیوں میں کئی عمارات تعمیر کی گئی ان کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے۔

(i) قُبّہ الصخرہ DOME OF THE ROCK

یہ وہ عمارت ہے جس کا نقشہ اخبارات میں اکثر آتا ہے اور غلط فہمی سے عام آدمی اسے ہی مسجد اقصیٰ کہہ دیتے ہیں یہ بات خلاف حقیقت ہے۔

یہ ہشت پہلو عمارت تقریباً 4500 مربع فٹ کی ہے اور زمین سے گنبد کی

اونچائی 110 فٹ ہے اس کے اندر ستون ہے اور باہر کی دو گولائی میں فرش ہے اندر خوبصورت منہا کاری کا کام ہے اور گنبد اندر سے نہایت اعلیٰ کام سے مزین ہے اس کے اندر درمیان میں ایک چٹان کے آثار ہیں (جیسے مکہ میں صفا اور مروہ پر پہاڑی کے نشان ہیں)۔

یہ عمارت غالباً عبدالمالک بن مروان کے دور میں (705ء) میں تعمیر کی گئی تھی اور اصل ہیکل سلیمانی کے ایک طرف ہے تاہم یہود کا دعویٰ ہے کہ اس کا ایک حصہ ہیکل سلیمانی کے اوپر ہے۔

1099ء سے 1190ء تک بیت المقدس عیسائیوں کے پاس رہا مگر انہوں نے بھی اس عمارت کو نقصان نہیں پہنچایا۔

اس کی تزئین و آرائش کا اصل کام عثمانی خلافت کے دوران سلیمان اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں ہوا (گویا حضرت سلیمان علیہ السلام کی تعمیر کی جگہ ایک عبادت گاہ کی تزئین و آرائش کا فرض بھی ایک دوسرے مسلمان بادشاہ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں مقدر تھا) اور انہوں نے اس عمارت کا حق ادا کر دیا۔

یہ ایک ہشت پہلو عمارت ہے اور ہماری عام مسجدوں کی طرح اس کا کوئی محراب یا قبلہ نہیں ہے۔ اس کے کئی دروازے ہیں ''باب القبلہ'' جنوب مکہ کی طرف ہے۔ باب الرحمۃ، باب التوبہ وغیرہ۔ اس میں صرف فضیلت کے طور پر لوگ نوافل ادا کرتے ہیں۔

(ii) ''مسجد اقصیٰ'' آج کل جسے مسجد اقصیٰ کہتے ہیں۔ یہ مسجد عبدالمالک بن مروان نے 705ء میں وہاں تعمیر کرائی تھی جہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نوافل ادا کئے تھے یہ مسجد ایک بڑے ہال اور برآمدہ پر مشتمل ہے تقریباً 3000 افراد نماز ادا کر سکتے ہیں جمعہ وغیرہ پر یہ مسجد نمازیوں سے بھر جاتی ہے بلکہ شمال کی طرف ہیکل سلیمانی کی کھلی جگہ تک نمازی پھیل جاتے ہیں۔

یہ قبۃ الصخرہ سے جنوب کی طرف ہیکل کی چار دیواری کے جنوبی کونے پر ہے اس پر ایک گنبد بھی ہے۔۔

اس مسجد کی بھی کئی دفعہ تعمیر اور تزئین ہوئی سلیمان اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی تزئین کرائی یہ علم و عرفان کا مرکز رہا ہے۔

گیارہویں صدی عیسوی میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ یہیں قیام پذیر تھے اور احیاء العلوم جیسی معرکۃ الآرا کتاب تصنیف فرمائی۔

(iii) ایک مختصر گنبد والی کھلی عمارت قُبّہ الصخرہ کے مشرقی دروازے کی طرف عبدالمالک بن مروان نے تعمیر کرائی۔ یہ قُبّہ الصخرہ کے شمال مغرب میں ہے۔

(iv) ایک مختصر عمارت ستونوں اور گنبد پر مشتمل ہے یہ عمارت حضرت محمد ﷺ کی یاد میں تعمیر کی گئی ہے اسے 1538ء میں گورنر یروشلم نے تعمیر کرایا۔ یہ قُبّہ الصخرہ سے شمال مغرب میں ہے۔

(v) یہ مختصر ترین نشان گنبد اور ستونوں پر مشتمل ہے اور سفر معراج کے آغاز کی جگہ کی نشاندہی کرتا ہے یہ 1200ء میں از سر نو تعمیر کیا گیا تھا۔ یہ قُبّہ الصخرہ سے شمال مغرب میں ہے۔

(vi) امیر حسن الدین (1207ء) نے ایک مدرسہ الادب قائم کیا تھا اس عمارت کا گنبد اور ملحقہ تعمیرات آج بھی موجود ہیں۔ یہ ہیکل کی چھوٹی چار دیواری کے جنوب مغرب کونے یا مسجد اقصیٰ کے شمالی داخلی دروازے سے مغرب کی طرف واقع ہے۔

(vii) ایک کھلا سیڑھیوں والا منبر جو عمومی خطاب کے طور پر استعمال ہوتا تھا 14 ویں صدی کے مشہور قاضی برہان الدین رحمۃ اللہ علیہ ''قاضی آف یروشلم'' کے نام سے ''منبر برہان الدین'' مشہور ہے۔

(viii) دیگر اہم آثار میں سنہری دروازہ اقصیٰ قدیم اور اسلامک میوزیم بھی شامل ہے۔

(ix) اس احاطہ کے مغربی حصہ میں یہود کی مذہبی عمارات اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور کی ایک تقریباً 70 فٹ لمبی دیوار ہے جسے دیوار گریہ (WEILING WALL) کہتے ہیں یہودی زائرین یہاں آ کر روتے ہیں اور افسوس کرتے ہیں اور عہد کرتے ہیں کہ دو ہزار سال سے تباہ شدہ ہیکل تو ہم دوبارہ نہیں پائے ہم اس کو جلد بنائیں گے۔

(x) ایک احاطہ کی چار دیواری کے مشرقی حصہ میں عیسائیوں کا بہت بڑا گرجا (کلیسا) ہے جو سنہری گرجا کہلاتا ہے اور دیگر مذہبی عمارات اور عیسائیوں کے متبرک مقامات ہیں۔ یہیں حضرت مریم سلام علیہا نے رہائش رکھی تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت باسعادت ہوئی۔

حیرت ہے کہ سلطنت رومانے جب من حیث القوم عیسائیت اختیار کی اور اس کو سرکاری مذہب رکھا اور تقریباً تین صدیاں یہ سلطنت قائم رہی مگر انہوں نے ہیکل سلیمانی کو دوبارہ تعمیر کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی حالانکہ وسائل کی کمی نہیں تھی۔ بلکہ کوئی خاص آ ثار بھی قائم نہیں کیئے۔ بلکہ ہیکل سلیمانی کے مشرقی حصہ میں شاندار کلیسا تعمیر کرایا۔

جبکہ 638ء میں جب مسلمانوں نے بیت المقدس فتح کیا تو وہاں ایک گول (ہشت پہلو) عمارت کرائی اور وہ مسجد نما نہیں تھی اس میں محراب نہیں تھا اور نہ اب ہے بلکہ ہیکل سلیمانی کے اصلی مقام کے اظہار کے لئے صرف ایک یادگار تعمیر کی۔

مسلمان فاتح چاہتے تو یہود و نصاریٰ کے تعاون اور ان کی فراہم کردہ نقشہ جات اور معلومات پر اصلی ہیکل دوبارہ تعمیر کر دیتے مگر قدرت کو یہی منظور تھا کہ اس سے کعبہ کی واحد ''قبلہ گاہ'' اور ''سجدہ گاہ'' ہونے کا مقام مشکوک ہو جاتا ہے بلکہ خالق کائنات نے اپنی تقویم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمانی کے بعد جلد ہی اس عمارت کو قائم نہیں رہنے دیا تاکہ آنے والے نبی آخرالزماں کے لئے پہلے سے ہی زمین ہموار ہو اور دنیا پر ''اصل'' اور واحد ''قبلہ جہاں'' منکشف ہو کر مہر تاباں کی طرح تا قیامت روشنی بکھیرتا رہے۔

آج یہ مسجد اقصیٰ اور قبّہ الصخرہ کا علاقہ اصلاً یہود کے قبضے میں ہے اور وہ اپنے منصوبے کے تحت وسیع تر اسرائیل کا قیام اور ہیکل سلیمانی کی تیسری تعمیر کی منصوبہ بندی کو تقریباً مکمل کر کے عملی اقدامات کی طرف پیش قدمی کر رہے ہیں مگر یہ قبّہ الصخرہ اور مسجد اقصیٰ کا ایک حصہ ہیکل سلیمانی کی تعمیر کے لئے گرانا ناگزیر ہے جو کہ یہود کے لئے ایک ڈراؤنا خواب ہے۔

تاہم یہودی اس منصوبے سے پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں اور اسے ہر قیمت پر تعمیر کرنا چاہتے ہیں اس کے نقشے، تخمینہ جات وغیرہ بالکل مکمل ہیں۔ افغانستان پر امریکی حملہ اکتوبر 2001ء کے ماحول میں اسرائیل نے اس ہیکل سلیمانی کی تعمیرات کے آغاز کے نشان کے طور پر FOUNDATION STON بھی رکھ دیا تھا۔ مگر تاہم عملی پیش رفت بہت سست ہے۔

29۔ ہیکل سلیمانی کی تعمیر سے ایک بہت بڑا قضیہ اسلام کی حقانیت اور آخری دین ہونے کے ساتھ حضرت محمد ﷺ کے آخری رسول ﷺ کی حیثیت بھی مشکوک اور متنازعہ ہو جائے گی اس

لئے کہ یہ ہیکل سلیمانی کسی ایسی عبادت گاہ یا مسجد کی طرح نہیں ہوگا جس کا رُخ بیت اللہ کی طرف ہو بلکہ یہ تو خود ایک قبلہ کی حیثیت سے تعمیر ہوگا۔ اب تک یہود و نصاریٰ قدیم روایات کے تحت مغرب اور مشرق کی طرف اپنی عبادت گاہوں کا رُخ کر لیتے ہیں اور نتیجۃً کوئی تنازعہ کھڑا نہیں ہوتا مگر اس ہیکل کی تعمیر سے دورِ حاضر میں جبکہ سائنسی آلات کی ترقی سے دنیا کے کونے کونے میں اس کا رُخ متعین کرنے کی سہولت موجود ہے اس ہیکل کے مطابق قبلہ کا تعین ہوگا تو سارے گرجے اور سارے یہودی معبد دوبارہ تعمیر کرنا پڑیں گے۔ اور ہیکل سلیمانی کی طرف تعمیر ہوں گے تو یہود و نصاریٰ کے درمیان بھی ناگزیر کھچاؤ اور جنگ کی کیفیت پیدا ہوگی۔ اس لئے کہ قرآن مجید کہتا ہے کہ ''کوئی گروہ کسی دوسرے گروہ کے قبلے کی پیروی نہیں کرتا'' یہود و نصاریٰ کی آج کی دوستی کا انجام ہیکل سلیمانی کی تعمیر سے پیدا شدہ صورتحال پر حد درجہ خوفناک لڑائی پر منتج ہوگا اور مسلمانوں کے قبلہ کے لئے ایک چیلنج۔ لہٰذا اس ساری ناپسندیدہ صورت حال سے بچنے کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ یہود اس سابقہ قبلہ کی عمارت کے نشان کے طور قبۃ الصخرہ کو قبول کر لیں اور ہیکل سلیمانی کی تیسری تعمیر کا ارادہ چھوڑ دیں بصورت دیگر ایک عالمی جنگ کا خطرہ ہے۔

30۔ خطرہ یہ ہے کہ اگر اسرائیلی حکومت اور یہودی ہیکل سلیمانی کی تعمیرات میں پیش رفت کرتے ہیں مسجد اقصیٰ اور قُبّہ الصخرہ کو گراتے ہیں تو عالم اسلام میں ہیجان پیدا ہو جائے گا اور مسلمانوں میں ایک عمومی اضطراب اور بے چینی کی کیفیت جنم لے گی جس کو ٹھنڈا کرانا شاید مشکل

31۔ اس ہیکل سلیمانی کی تعمیر سے دوسرا نتیجہ یہ نکلے گا کہ بیت الحرام اور مسلمانوں کے قبلہ کی حیثیت متنازعہ اور مشکوک ہو جائے گی اور یہود و نصاریٰ کا منصوبہ یہی ہے اور اسی حد درجہ مایوسیت (CAOS) کی کیفیت سے وہ فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں شاید اسی کیفیت کا ذکر ہے ایک حدیث پاک میں کہ بیت المقدس میں ہیکل سلیمانی کی تعمیر سے حرمین شریفین میں آمد و رفت کم ہو جائے گی

عمرانُ بیت المقدس خراب یثرب وخراب یَثرب خروج الملحمة وخروج الملحمة ___________ (ابوداؤد۔ مسند احمد عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ)

32۔ مشرق وسطیٰ میں خروج الملحمۃ سے ایک بڑی جنگ ہے جیسے بائیبل عہد نامہ جدید میں حضرت یوحنا کے مکاشفات میں ARMAGADON کہا گیا ہے اور ڈکشنری میں لکھا ہے۔

THE BIGGEST WAR IN HISTORY FOUGHT BETWEEN

THE FORCES OF EVIL & GOOD.

عالمی امن کے علمبرداروں UNO اور دیگر امن پسند افراد کو صہیونیوں کو اس شر انگیز منصوبہ سے روکنے کی سرتوڑ کوشش کرنا چاہیئے۔ اللہ کرے کہ کچھ لوگوں کی خواہش اور محنت سے اس گلوب پر بسنے والا انسان شاید ایک عالمگیر انسانی تباہی (HUMAN DISASTER) سے بچ جائے اب یہ صہیونیوں کے ہاتھ میں ہے کہ وہ عالمی امن کو تباہ کر کے انسان کو جنگ کی آگ میں دھکیلنا چاہتے ہیں یا اتنی بڑی تباہی کے پیش نظر اپنے منصوبہ کو ترک کر دیتے ہیں۔

33۔ اب یہودی عزائم کوئی راز کی بات نہیں ہے لہٰذا عیسائی برادری اور کیتھولک کاج کے پوپ کو بھی ہولناک جنگ سے بچاؤ کے لئے کچھ کرنا چاہیئے اگرچہ صہیونی تیور بڑے خطرناک ہیں اور ان کی خاص ذہنی ساخت اور ماضی کی روایات کے پیش نظر کوئی عجب نہیں وہ مسلمانوں میں سے کسی گروہ کو اعتماد میں لے کر اس سے ہیکل سلیمانی کی تعمیر کا کام کرائیں تاکہ ممکنہ تصادم کی شدت کو کم رکھا جاسکے یا اس کے ردعمل کا رُخ موڑا جاسکے۔

34۔ ہم انسانیت کی تباہی اور ذاتی اعراض کی جنگ کے ہر منصوبے کی مذمت کرتے ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کرۂ ارض کو امن کا گہوارہ اور جنت نشان بنانے کی سوچ کے حامل افراد کی مدد کرے اور انہیں کامیاب فرمائے۔ آمین وما ذالك على الله بعزيز۔

25روزہ قرآنی تربیت گاہ

پھر سوئے حرم لے چل

چند شرکاء کے تاثرات

''پھر سوئے حرم لے چل'' اقامتی تربیت گاہ ایک منفرد قسم کی تربیت گاہ جو شرکاء میں قرآن فہمی کا شوق، اسلاف سے محبت، اسلامی تاریخ سے آگہی اور اسلام کے عروج وزوال کی عہد بہ عہد نقشہ کشی کر کے آج کے اس دورِ زوال میں پھر نشاۃ ثانیہ کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ اس کورس کے بارے میں صحیح تاثرات اس میں شریک ہو کر ہی دل کی گہرائیوں سے ابھر سکتے ہیں جن کو محسوس تو کیا جا سکتا ہے بیان کرنا مشکل ہے۔

ع لذت ایں بادہ ندانی بخدا! تانہ چشی

نام: حفیظ اللہ خان والد: نور خان تعلیم: M.A. سیاسیات

ایڈریس: ائر پورٹ روڈ بٹیاں میانوالی

جہاں تک خیالات کے اظہار کا تعلق ہے اس اکیڈمی اور خاص کر 25 روزہ تربیت گاہ کے متعلق دل میں تو احساسات اور جذبات کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے لیکن لب اور قلم کی نوک پر اس سمندر کو لانا ممکن نہیں اس لئے ان جذبات کے چند قطرے ہی میں نوک قلم کرنا چاہوں گا۔ زندگی کا جہاں تک تعلق ہے تو بھٹکے ہوئے آہو کی طرح ادھر ادھر پھر رہے تھے مگر کوئی کنارہ یا کوئی منزل دور دور تک نظر نہیں آ رہی تھی۔ الغرض ٹھوکریں کھا رہے تھے مگر دل کسی پر نہیں ٹھکتا تھا کہ نہیں ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ مگر اللہ پر توکل رکھتے ہوئے سفر جاری رکھا کہ اللہ کا وعدہ ہے کہ جب تم ہدایت تلاش کرو گے تو میں تمہیں ضرور دوں گا۔ پس دل کو حوصلہ سا ہو گیا اور اللہ نے راہ ہموار کر دی اور ہمیں اکیڈمی میں غیر قصداً بلا لیا۔ اور خدا گواہ ہے کہ مبالغہ آرائی سے بالکل کام نہیں لے رہا جب پہنچا اور دیکھا اور سنا اور سیکھا تو بالکل وہی تھا جس کی خواہش اور تلاش تھی کہ اس

گئے گزرے دور میں بھی دین کے اعلیٰ درجے پر کام کرنے کا سکھایا جا رہا ہے۔ جو کہ شیوہ پیغمبری کے عین مطابق اور ان کے اسوہ پر ہے۔ اس سے ہٹ کر اکیڈمی کی انتظامیہ نے اور خاص کر فاروقی صاحب نے ہمیں گھر کے سے ماحول کی سہولیات مہیا کرنے کی بھرپور کوشش اور اس کا اجر ہم دینے سے قاصر ہیں اور اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ آپ کو اور سب کو اجرعظیم عطا کرے کہ اس کا حق واجر صرف ذات واحد ہی عطا کر سکتی ہے۔ باقی ہم سے اگر کوئی کوتاہی ہوگئی ہو تو ہم معافی کے طلب گار ہیں اور آپ بھی دعا گو رہیں کہ اللہ ہمیں اور نسلوں کو مجاہد قرآن اور اسلام بنا دے۔ (امین)

فاروقی صاحب کے نام شعر ؎

تیرے خلوص میں یوں ہرگز کبھی کمی نہ ہو   خدا کرے تو ایسی مثال بنے جو کبھی نہ ہو

نام: محمد سلیم اختر والد: سردار خان تعلیم: M.A. سیاسیات و تاریخ

ایڈریس: گلی نمبر 20 فاروق آباد غربیہ ہاؤلنگر

میرے خیال میں یہ 25 روزہ تربیت گاہ ایک فکری اور انقلابی تربیت گاہ ہے۔ مجھے قرآن مجید، تاریخ اسلام، احادیث مبارکہ اور کلام اقبال کو سمجھنے کا موقع ملا۔ اس سے قبل مجھے اسلام سے اتنی آگاہی نہ تھی۔ آنے سے قبل مجھے کہا گیا تھا کہ اگر آپ نے زندہ ولی دیکھنا ہے تو قرآن اکیڈمی جھنگ میں محترم مختار فاروقی صاحب کو جا ملئے۔ میرے خیال میں فاروقی صاحب ایک ولی کامل انسان ہیں۔ ان سے اتنا کچھ سیکھ چکا ہوں جو میں اپنی زندگی کے 40 سال میں بھی نہیں سیکھ سکا۔ علاوہ ازیں جناب رانا صبغت اللہ اور برادر آصف نے بھی ہر طرح سے خیال رکھا۔ رانا صاحب نے بھی ہمیشہ مشفقانہ رویہ رکھا اور ہماری ہر ضرورت اور کھانے وغیرہ کا خیال کیا جو داد کے مستحق ہیں محترم خلیل الرحمٰن صاحب نے عربی کے گرائمر اصول سمجھائے ان کے پڑھانے کا طریقہ بہت ہی اچھا رہا ہے۔ مگر وقت کی قلت کی وجہ سے گرامر کے اصول

اتنے بتا دیئے جاتے ہیں کہ خیالات تصورات گڈ مڈ ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ اس سے قبل ہم عربی سے بالکل ہی نا آشنا رہے ہیں۔ عربی سیکھنے کے لئے مشق کا ہونا انتہائی ضروری ہے جو کہ ہم نہ کر سکے مگر پھر بھی بہت فائدہ ہوا ہے کہ ہم گھر بیٹھ کر اس کی مشق کر سکیں۔

میری دعا ہے کہ محترم فاروقی صاحب پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب اور رانا صاحب کو اللہ تعالیٰ خیر کثیر عطا فرمائے اور اللہ ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔ مگر چند حضرات کورس سیکھنے آتے ہیں اور دو چار دن کے بعد راہ فرار اختیار کرتے ہیں۔ شرکاء کے لئے تجویز ہے کہ اکیڈمی میں کورس کے شروع میں مبلغ -/1000 روپے سیکورٹی فیس رکھی جائے اور کورس کے اختتام پر انہیں واپس کر دی جائے۔ اس طرح راہ فرار اختیار کرنے والوں کی حوصلہ شکنی کی ہوگی۔

نام: شاہد محمود والد: عبدالغفور ظفر تعلیم: B.COM

ایڈریس: مکان نمبر 336 بلدیہ کالونی ہارون آباد

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ جس نے مجھے قرآن اکیڈمی جھنگ میں تفہیم دین کورس میں شرکت کرنے کی توفیق دی۔ اس اکیڈمی کا دینی ماحول مجھے بہت پسند آیا۔ جہاں پر مجھے کلام اقبال، مطالعہ قرآن، مطالعہ حدیث اور تاریخ اسلام کے بارے میں جاننے کا موقع ملا۔ اس اکیڈمی کی سب سے زیادہ خصوصیت میں نے یہ دیکھی ہے کہ جہاں کوئی فرقہ بازی نہیں بلکہ قرآن وحدیث کی باتیں ہیں اور یہ ہی باتیں مسلمانوں کی BASE ہیں۔ اکیڈمی میں باقاعدگی سے نمازیں ادا کیں۔ میں نے میری زندگی کے ان 25 دنوں میں اپنی دنیاوی مصروفیات کو ختم کر کے قرآن وسنت کی طرف پہلا قدم اٹھایا یہ میرے لئے باعث فخر ہے۔ ان 25 دنوں میں میرے اندر قرآن کا فہم حاصل کرنے کے لئے ایک نیا جذبہ پیدا ہوا۔ اور ان شاء اللہ اسے پایہ تکمیل تک پہنچاؤں گا۔ یہاں پر مجھے پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب جیسے لائق استاد سے عربی گرائمر

سیکھنے کا موقع ملا۔ یہاں پر مختار فاروقی صاحب جیسے عظیم استاد ملے۔ان کے پڑھانے کا انداز بہت اچھا ہے اللہ تعالی انہیں اپنے مقصد میں کامیاب کرے۔ آمین

نام:شبیر احمد انصاری والد: محمد اشرف تعلیم:.M.A, B.ED

ایڈریس: گلشن آباد کالونی ہارون آباد ضلع بہاولنگر

اللہ تعالی کے فضل وکرم سے تیرہویں تفہیم القرآن کورس کا 4 جون 2007ء کو آغاز ہوا ذہن میں جو توقعات تھیں ان کو اگرچہ موسم کی شدت نے بہت حد تک گہنا دیا لیکن منتظمین کا جذبہ اور تعاون ہمیشہ یاد رکھا جائیگا۔اتنے لمبے عربی کورس (گرامر) کو مختصر مدت میں از بر کرانے کی کوشش ایک قابل تحسین وآفرین امر ہے۔

اس کورس میں مرکزی کردار جناب مختار فاروقی صاحب کا ہے جو نہ صرف اس کورس کو کنڈکٹ کرتے ہیں بلکہ بیک وقت قرآن مجید، تاریخ، حدیث اور کلام اقبال کو جس احسن اور پر جوش انداز میں شرکاء کورس کے ذہن نشین کراتے ہیں وہ یقیناً انہی کا حصہ ہے۔اس گئے گزرے دور میں اس کورس کے ذریعے کردار سازی اور حب دین کے تقاضوں کو جس بھرپور انداز میں انجام دیا جاتا ہے وہ اس اکیڈمی کے جملہ منتظمین کی وطن دوستی اور دینی احیاء کے عمل کا مظہر ہے اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ انتظامیہ کو بالخصوص جناب فاروقی صاحب کو ہمت اور حوصلہ دے تاکہ وہ اس ذہنی نقشہ کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکیں جو انہوں نے اکیڈمی کے بارے میں بنا رکھا ہے اکیڈمی زندہ باد۔

نام: زید مسعود الحسن والد: مسعود الحسن تعلیم: B.A

ایڈریس: چک نمبر 291 گ ب لاہوریانوالا ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ

قرآن اکیڈمی میں چنگاری کو آگ میں تبدیل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اللہ اس اکیڈمی کو قائم ودائم رکھے۔ آمین

قرآن اکیڈمی میں 25 روزہ کل وقتی تربیت گاہ میں قرآن مجید کے مطالعے کی

عام ترغیب وتشویق کی جاتی ہے تاکہ نوجوان اپنے مقصد زندگی کو صحیح معنوں میں سمجھ سکیں جس کی تشریح کے لئے حدیث بھی نصاب میں شامل کی گئی ہیں۔کلام اقبال بھی نصاب میں شامل کیا گیا ہے تاکہ شرکاء میں جذبہ آزادی پیدا کیا جائے وہ اپنے ذہنوں سے غیر مسلموں کا بھوت اتار کر اسلامی علَم لہرانے کی کوشش کریں۔نصاب میں تاریخ کو شامل کیا گیا ہے تاکہ شرکاء اپنے اسلاف کے متعلق جان سکیں۔گویا یوں کہنا بے جا نہ ہوگا کہ قرآن اکیڈمی کا قیام قرآن حکیم کے فلسفہ وحکمت کو مختلف موضوعات سے وقت کی اعلیٰ ترین علمی سطح پر پیش کرنا ہے (تجوید القرآن کا پیریڈ لازمی ہونا چاہئے) اگر دیکھا جائے تو یہ ایک انقلابی قدم ہے جس کے ذریعے نوجوانوں میں انقلاب پیدا کرنے کی سعی کی گئی ہے تاکہ وہ غلبہ اسلام کے لئے جدوجہد کریں اللہ کا شکر ہے۔کہ انہوں نے مختار فاروقی صاحب کو توفیق دی اللہ ان کو اجر عظیم سے نوازے (امین) مفتی عطاء الرحمٰن صاحب کا پیریڈ دوستانہ ہوتا ہے جو مجھے بہت پسند ہے اس کے علاوہ رانا صبغت اللہ کا رویہ بھی قابل تعریف ہے۔شبیر کی بھی ہمت ہے کہ وہ اپنا کام احسن طریقے سے سرانجام دیتا ہے۔

نام: شوکت علی والد: محمد شفیع تعلیم: B.A

ایڈریس: گوجرہ روڈ لالووالہ جھنگ صدر

اللہ تبارک وتعالیٰ کی خاص شفقت ہوئی کہ مجھے اس ادارہ (قرآن اکیڈمی) میں کورس کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے الحمدللہ میں نے اس کورس میں بہت کچھ سیکھا ہے۔اس اکیڈمی کے بانی محترم جناب فاروقی صاحب نے ہمیں بہت محنت سے پڑھایا ہے ان کی اس بے حد محنت وجدوجہد کی بدولت مجھ میں کافی تبدیلیاں آئی ہیں۔انشاء اللہ عزوجل میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کی پیروی کرنے کی کوشش کروں گا۔اکیڈمی کی انتظامیہ کا شکریہ کہ انہوں نے اس کورس میں ہماری ہر لحاظ سے مدد کی بالخصوص رانا صاحب اور شبیر صاحب اپنے فرائض بہتر

سرانجام دے رہے ہیں۔

محترم مختار فاروقی صاحب کیلئے دعا گو ہوں اللہ تبارک وتعالیٰ ان پر راضی ہوجائے کیونکہ انہوں نے ہمیں اسلام کے موتی دیئے ہیں۔ امین